جلد 3 شمارہ 11 جنوری 2002ء شوال 1422ھ

قُلْ اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ (الرعد)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔

ماہنامہ

آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ
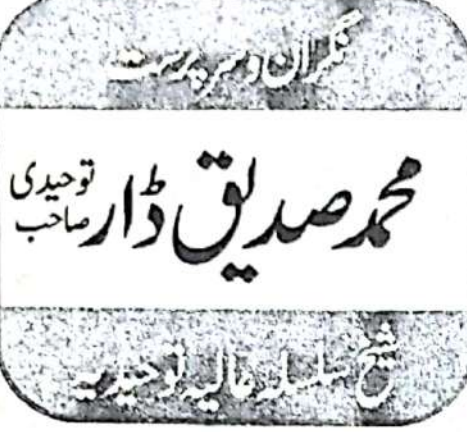
قیمت ———— -/15 روپے　　　سالانہ فنڈ ———— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-293379

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail; toheddia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اجتماعی الہام کی دولت سے نوازا ہے جو ہر قسم کے خطرہ اور ضرر اور افراط و تفریط اور غلط فہمیوں سے پاک اور محفوظ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب اسلام اور مسلمانوں کے سامنے کوئی نازک اور اہم مسئلہ آتا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اور کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے یا زمانہ کے تغیر اور حالات کے تقاضہ سے کوئی نئی ضرورت سامنے آتی ہے تو اللہ تعالیٰ علماء و مخلصین کے ایک معتد بہ گروہ کے دل میں جو نفس زکی اور ارادہ قوی کے مالک ہوتے ہیں، اس ضرورت کی تکمیل کا شدت سے خیال پیدا کر دیتا ہے اور ہمہ تن ان کو اس طرف اس طرح متوجہ کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کو اس کام کے لئے مامور اور عند اللہ مسئول سمجھنے لگتے ہیں ان کو اس کام کی تکمیل میں کھلے طور پر تائید الٰہی اور نصرت غیبی نظر آتی ہے اور وہ دل کی گہرائی سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کی طرف کشاں کشاں لے جائے جا رہے ہیں یہ وہ حقیقت ہے جس کو ہم نے "اجتماعی الہام" یا جماعتی ہدایت سے تعبیر کیا ہے اور تاریخ اسلام اس کی مثالوں سے پر ہے۔

کبھی یہ الہام معدودے چند اصحاب کو ہوتا ہے، جیسا کہ اذان کے واقعہ میں عبداللہ ابن زید ؓ اور حضرت عمر بن خطاب ؓ کے ساتھ پیش آیا کہ دونوں کے خواب یکساں نکلے اور دونوں کو خواب میں کلمات اذان کی تلقین کی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصویب فرمائی اور اذان کو شرعی حیثیت دے دی، جو آج تمام عالم اسلام میں رائج ہے اور جیسا کہ لیلۃ القدر کے سلسلہ میں پیش آیا، جس کے بارے میں شیخین نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت کی ہے کہ "چند صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہیں خواب میں لیلۃ القدر کو رمضان کی اخیر سات راتوں میں دکھایا گیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب سات آخری راتوں کے بارے میں یکساں ہیں تو جو اسے تلاش کرنا چاہتا ہے وہ انہیں سات راتوں میں تلاش کرے۔"

اور اسی کے قریب صلوۃ تراویح کا معاملہ ہے، جس کی اصل نبی ﷺ سے ثابت ہے، جسے آپ نے تین دن کے بعد اس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور اس طرح مشقت کا سبب نہ بن جائے، مسلمان اسے اکیلے اکیلے پڑھنے لگے، حضرت عمر ؓ نے اس کی جماعت قائم کر دی، حضرت عمر کا یہ فعل الہام الٰہی پر مبنی اور آسمانی رہنمائی کا نتیجہ تھا اور اس میں بڑا ہی خیر پوشیدہ تھا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا خیال اور اس میں ختم قرآن

کا شوق پیدا کر دیا، جو حفظ و حفاظت قرآن کا بڑا ذریعہ ثابت ہوا اور اس کی وجہ سے مسابقت اور رمضان کی راتوں میں بیدار رہنے کا داعیہ پیدا ہو گیا، اس سلسلہ میں اہل سنت جنھوں نے تراویح کو اپنایا اور ان جماعتوں کے درمیان جنھوں نے اس کا انکار کیا اس کھلے فرق کو دیکھا جا سکتا ہے، جو حفظ قرآن کی کثرت اور اس کے مطالعہ و اہتمام کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے۔

تزکیہ نفس و تہذیب اخلاق کا وسیع و مستحکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کر لی، نفس و شیطان کے مکاید کی نشاندہی، نفسانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج تعلق مع اللہ، اور نسبت باطنی کے حصول کے ذرائع و طرق کی تشریح و ترتیب جس کی اصل حقیقت تزکیہ و احسان کے ماثور و شرعی الفاظ میں پہلے سے تھی اور جس کا عرفی و اصطلاحی نام بعد کی صدیوں میں "تصوف" پڑ گیا، اسی اجتماعی الہام کی ایک درخشاں مثال ہے، رفتہ رفتہ اس فن کو اس کے ماہرین نے اجتہاد کے درجہ تک پہنچا دیا اور اس کو دین کی بڑی خدمت اور وقت کا جہاد قرار دیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قلوب و نفوس کی مردہ کھیتیوں کو زندہ کیا اور روح کے مریضوں کو شفا دی، ان مخلص علماء ربانیین اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعہ دنیا کے دور دراز گوشوں اور طویل و عریض ممالک (جیسے ہندوستان، جزائر شرق الہند اور براعظم افریقہ) میں وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی اور لاکھوں انسانوں نے ہدایت پائی، ان کی تربیت سے ایسے مردان کار پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں مسلم معاشرہ میں ایمان و یقین اور عمل صالح کی روح پھونکی اور بارہا میدان جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا، اس گروہ کی افادیت اور اس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کرے گا، جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں یا جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

جیسا کہ حدیث متواتر کی تعریف اور اس کے قطعی الثبوت ہونے کی دلیل میں اہل اصول کہتے ہیں کہ "اتنی بڑی تعداد نے ہر زمانہ میں اس کی روایت کی ہو کہ عقل سلیم اور انسانی عادات اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں کہ اتنے کثیر انسانوں نے غلط بیانی اور افتراء پردازی پر اتفاق کر لیا ہے اور یہ کسی سازش کا نتیجہ ہے۔ تاریخ کے سرسری مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرن ثانی سے لے کر اس وقت تک بلا انقطاع اور بلا استثناء ہر دور اور ہر ملک کے خدا کے کثیر التعداد مخلص بندوں نے اسی طریقہ کو اختیار کیا اور اس کی دعوت دی، خود فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا اور ساری زندگی اس کی اشاعت میں مشغول و سرگرم رہے اور انکو اس کی صحت و افادیت کے بارے میں پورا یقین و اطمینان حاصل تھا وہ اپنے ماحول و معاشرہ کا خلاصہ اور عطر تھے اور نہ صرف اپنی راست بازی، خلوص و بے غرضی، پاک نفسی اور نیک باطنی میں بلکہ کتاب و سنت

کے علم، سنت کی محبت و عشق اور بدعات سے نفرت و کراہت میں بھی اپنے معاصرین میں فائق اور ممتاز تھے، ایک دو کا، یا دس پانچ کا کسی غلط فہمی یا سازش کا شکار ہو جانا ممکن ہے اور بعید از قیاس نہیں لیکن لاکھوں انسانوں کا جو اپنے علم و عمل میں بھی امت کی صف اول پر نظر آتے ہیں، علی سبیل التواتر صدیوں تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہنا، اس پر اصرار کرنا اور اس کی دعوت دینا، اس پر پورے عزم و استقامت کے ساتھ قائم رہنا خلاف عقل اور خلاف عادت بات ہے، پھر ان کے انفاس قدسیہ سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا ہدایت یافتہ اور فیض یاب ہونا اور اعلیٰ باطنی و روحانی کمالات تک پہونچنا خبر متواتر ہے، جس کا انکار ممکن نہیں، عقلاً" و عادتاً" یہ بات بالکل ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ زمانی و مکانی اختلاف کے باوجود صادقین و مخلصین کا یہ گروہ عظیم متواتر و مسلسل طریقہ پر ایک غلط فہمی میں مبتلا رہا اور اللہ تعالیٰ نے بھی جو رحیم و حکیم اور ہادی مطلق ہے اور جس کا وعدہ ہے کہ

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین (العنکبوت ۶۹) (ترجمہ) اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں بڑے بڑے مجاہدے اور کوششیں کیں ہم ان کو ضرور بالضرور اپنے صحیح راستوں پر لگا دیں گے بیشک اللہ تعالیٰ ہمت و صداقت کے ساتھ کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان کی اس غلط فہمی کا پردہ چاک نہیں کیا اور ان کی دستگیری نہیں فرمائی، آپ تاریخ اسلام میں سے ان صادقین و مخلصین کو جن میں ایک ایک آدمی اپنے عہد کا گل سرسبد، منارہ نور اور نوع انسانی کے لئے شرف و عزت کا باعث ہے، نکال کر دیکھیں کہ ان کے بعد کیا رہ جاتا ہے اور اگر ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تو پھر کونسی جماعت لائق اعتماد اور سرمایہ افتخار ہوگی۔

اسی طرح کے مبارک الہام کی مثال سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد ہے۔ بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کو ہر قسم کی آلائشوں اور غلط نظریات سے جو کہ سابقہ صدیوں میں جاہل صوفیوں کی وجہ سے تصوف کا حصہ بن گئے تھے ان سے پاک کیا۔ انہوں نے تصوف کو قرآن و سنت کے مطابق ترتیب دیا۔ انہوں نے موجودہ دور کی ضروریات کے مطابق خصوصاً" تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے سلوک اور اس کے عملی طریقے وضع کیئے۔ میرے نزدیک سلسلہ عالیہ توحیدیہ اپنے محاسن کی بناء پر طالبان حق و صداقت کے لئے ان لوگوں کے لئے جو اہل حسن اور محبت بن کر اپنی خودی اور ملت کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں قابل اعتماد ہادی و مرشد ہے۔

والسلام!

وحید احمد

اسلام میں صبر کی اہمیت

مصباح حبیب اعوان

اب اللہ مع الصابرین

ترجمہ: بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

عموماً" یہ آیت اکثر ہماری نظروں سے گزرتی ہے اور سوچ کے کئی در کھول دیتی ہے بے اختیار ہی منہ سے بے شک یا الحمد للہ کے لفظ نکلتے ہیں۔ صبر کیا ہے اس کا مفہوم کیا ہے اسے سمجھنے اور جاننے کی کوشش کریں تو مختلف باتیں ظاہر ہوتی ہیں انسانی زندگی کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے ہم صبر کے مراحل سے اکثر و بیشتر گزرتے ہی رہتے ہیں جیسے مصیبت میں اپنے آپ کو سنبھال لیتے ہیں، کسی کے ظلم پر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں، تنگی رزق و فاقے کو شکر سے کاٹتے ہیں، بیماری و آفت کے وقت ہمت سے کام لیتے ہیں، آفت و ناگہانی حادثات کو آرام و سکون سے برداشت کرتے ہیں، موت و جدائی برداشت کرتے ہیں، ناحق سزا سکون سے جھیل جاتے ہیں۔

در حقیقت برداشت، حوصلہ اور دکھوں کو اپنے اندر جذب کر لینے کا نام ہی صبر ہے بالکل ایسے ہی جیسے آپ کانٹوں بھری راہ پر ننگے پیر چل رہے ہوں اور زبان سے اف تک نہ کریں صرف اس امید پر کہ صبر کا پھل میٹھا ہے ان زخموں کا مداوا کسی نہ کسی صورت اللہ رب العزت ضرور کرے گا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے

"صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے"

"اللہ تعالیٰ کو صبر کرنے والے محبوب ہیں"

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام "الصبور" ہے جس کا ورد کرنے سے اللہ تعالیٰ صبر کی طاقت و قوت میں اضافہ کر دیتا ہے یہ اسم صبر سے ہے صبر کے لغوی معنی حبس اور امساک کے ہیں شرعاً" مصیبت کے وقت عدم اضطراب کا دوسرا نام ہے صبور کے معنی برداشت کرنے والا اور صبر کرنیوالا

کے ہیں احادیث نبوی ﷺ کے مطابق ایمان کے دو حصے ہیں نصف شکر اور نصف صبر یعنی خوشحالی کے وقت اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور مصیبت ناگہانی پریشانی کے وقت صبر کرنا ہی دراصل ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صابرین کا بہت سے اوصاف میں ذکر فرمایا ہے یہی نہیں بلکہ صبر کا ذکر قرآن مجید میں 70 سے زائد مقامات پر آیا ہے۔

"نیز رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا۔ بدلہ ان کے صبر کا" (السجدہ)

اور ضرور ہم صبر کرنے والوں کو ان کا وہ صلہ دیں گے جو ان کے سب سے اچھے کام کے قابل ہو" (النحل)

"ان کو ان کا اجر دگنا دیا جائیگا بدلہ ان کے صبر کا" (القصص)

"صابروں کو ان کا بھرپور ثواب دیا جائے گا بے گنتی" (الزمر)

اس لئے اپنے اندر برداشت کی قوت بڑھانے کے لئے اس (الصبور) اسم پاک کا ورد ہمہ وقت کریں اللہ تعالیٰ ذاکر میں صبر کی ہمت و طاقت بڑھا دیتا ہے وہ سخت سے سخت مصیبت سے باسانی گزر جاتے ہیں صبر آج کل کے دور میں ہماری ضرورت بن گیا ہے۔ طبیعت میں حلیمی، بردباری، شکر، شفقت، محبت اور انکسار کے جذبات مسلمان کی پہچان ہوتے ہیں جو آج ناگزیر ہو چکے ہیں بہت سے کام جو آرام سے ہو سکتے ہیں ہم اپنی بے صبری کے باعث خود اپنے لئے کوفت کا باعث بنا لیتے ہیں چڑ چڑا پن، جھنجلاہٹ اور غصہ صرف صبر کی کمی کا نتیجہ ہیں اپنی زندگی سہل بنانے کے لئے صبر کی عادت ڈالیں اس طرح ہم خود اپنی اور دوسروں کی زندگی کو بھی پر سکون بنا سکتے ہیں۔

مصیبت کے وقت اللہ کی یاد اور صبر ہی ہمیں اس تکلیف سے نجات دلا سکتے ہیں اس دور جدید میں بہت سی تکلیفوں کا باعث بے صبرا پن ہے۔ اے کاش کہ ہم میں اللہ تعالیٰ برداشت اور ضبط نفس پیدا کر دے اور صبر کا مادہ بڑھا دے تاکہ ہم اپنی زندگی کو جو ہمارے اپنے ہی بے صبرے پن کی وجہ سے گزارنا ناگزیر ہو چکی ہے اپنے لئے سہل کر لیں۔ سکون دل حاصل ہو جائے اور بے چینی رفع ہو جائے طبیعت میں سکون آجائے اور ہر مصیبت و پریشانی سے باآسانی گزر جائیں۔

فضائل ذکر

(رانا محمد اعجاز)

عن ابی هریرة وابی هریرة وابی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یقعد قوم یذکرون الله الا خصتهم الملکته وغشیتهم الرحمه ونزلت علهم السکینه و ذکرهم الله فیمن عنده (مسلم)

ترجمہ! حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بھی اور جہاں بھی بیٹھ کر کچھ بندگان خدا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو لازمی طور پر فرشتے ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان پر چھا جاتی ہے اور ان کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ کی کیفیت نازل ہوتی ہے اور اللہ اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔

ذکر اللہ اپنے وسیع معنی کے لحاظ سے نماز، تلاوت قرآن اور دعا و استغفار وغیرہ سبھی ہی شامل ہیں اور یہ سب اس کی خاص خاص اشکال ہیں۔ لیکن مخصوص اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، توحید و تمجید اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی صفات کمال کے بیان اور دھیان کو ذکر اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور انسان کی روحانی ترقی اور ملاء اعلیٰ سے اس کے ربط کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ نماز سے لیکر جہاد تک تمام اعمال صالحہ کی روح اور جان ذکر اللہ ہے اور یہی ذکر اور دل و زبان سے اللہ کی یاد وہ پروانہ ولایت ہے کہ جس کو عطا ہو گیا وہ واصل ہو گیا اور جس کو عطا نہیں ہوا وہ دور اور مہجور رہا۔ یہ ذکر الٰہی اللہ والوں کے قلوب کی غذا اور ذریعہ حیات ہے۔ اگر وہ ان کو نہ ملے تو جسم ان قلوب کے لئے قبور بن جائیں اور ذکر ہی سے دلوں کی دنیا آباد ہے۔ اگر دلوں کی دنیا اس سے خالی ہو جائے تو بالکل ویرانہ ہو کر رہ جائے اور ذکر ہی ان کا وہ ہتھیار ہے،

جس سے وہ روحانیت کے رہزنوں سے جنگ کرتے ہیں اور وہی ان کے لئے ٹھنڈا پانی ہے جس سے وہ اپنے باطن کی آگ بجھاتے ہیں اور وہی ان کی بیماریوں کی وہ دوا ہے کہ اگر ان کو نہ ملے تو ان کے دل گرنے لگے اور وہی وسیلہ ربط ہے ان کے اور ان کے رب کے درمیان۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح بینا آنکھوں کو روشنی اور بینائی سے منور کیا ہے اس طرح ذکر کرنے والی زبانوں کو ذکر سے مزین فرمایا ہے اسی لئے اللہ کی یاد سے غافل زبان اس آنکھ کی طرح ہے جو بینائی سے محروم ہے اور اس کان کی طرح ہے جو شنوائی کی صلاحیت کھو چکا ہے اور اس ہاتھ کی طرح ہے جو مفلوج ہو کر بیکار ہو گیا ہے۔

ذکر اللہ ہی وہ راستہ اور دروازہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان کھلا ہوا ہے۔ اور اس سے بندہ اس کی بارگاہ عالی تک پہنچ سکتا ہے اور جب بندہ اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو وہ دروزاہ بند ہو جاتا ہے۔ اس لئے ذکر اللہ کثرت سے کرنا چاہئے تاکہ بندے کا اپنے محبوب سے رابطہ برقرار رہے۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ بندوں کا ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے کی خاص برکت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں اسی حدیث کی شرح میں فرمایا ہے۔

"اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمانوں کا جمع ہو کر ذکر وغیرہ کرنا رحمت و سکینت اور قرب ملائکہ کا خاص وسیلہ ہے۔

مذکورہ حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے بندوں کے لئے چار خاص نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے

ایک یہ کہ ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں دوسرا یہ کہ رحمت الٰہی ان کو اپنے آغوش اور سایہ میں لے لیتی ہے ان دونوں نعمتوں کے نتیجہ میں تیسری

نعمت ان کو یہ حاصل ہوتی ہے کہ ان کے قلوب پر سکینت نازل ہوتی ہے جو عظیم تر
روحانی نعمتوں میں سے ہے۔ یہاں سکینت سے مراد خاص درجہ کا قلبی اطمینان او
روحانی سکون ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عطیہ کے
طور پر نصیب ہوتا ہے۔ اسی کو اہل سلوک جمعیت قلبی بھی کہتے ہیں اس دولت اور نعمت
کا صاحب سکینہ کو احساس اور شعور بھی ہوتا ہے۔

چوتھی نعمت جس کا ذکر مذکورہ حدیث مبارکہ میں ان ذاکر بندوں کا ذکر فرماتے ہیں
دیکھو آدم علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے میرے یہ بندے ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں
غائبانہ ہی ایمان لائے ہیں اس کے باوجود محبت و خشیت کی کیسی کیفیت اور کیسے ذوق و
شوق اور کیسے سوز و گداز سے میرا ذکر کر رہے ہیں۔

بلا شبہ مالک الملک کا اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اس طرح ذکر
فرمانا وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نماز اور حج جیسی اعلیٰ درجہ کی عبادات سے فارغ ہونے کے بعد
بھی بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ ان
سے فراغت کے بعد بھی اس کے دل میں اور اس کی زبان پر ذکر اللہ ہونا چاہئے اور اسی کو
ان اعمال کا خاتمہ بننا چاہئے۔ قرآن مجید کی بیشتر آیات میں بھی ذکر اللہ کرنے کی بڑی
عظمت اور کبریائی بیان فرمائی ہے۔

"میرے بندو تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرا احسان مانو اور ناشکری نہ
کرو"

بندے کی اس سے بڑی سعادت و کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے کہ پوری کائنات کا خالق
و مالک اس کو یاد کرے اور یاد رکھے۔

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ے ذکر کے اثرات

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے وہ ایک بامقصد اور عظیم کائناتی نظام کا حصہ ہے۔ انسانی
ا ایک ایک عضو اس نظام حق کا حصہ ہے۔ جو شے جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہو اسے اسی طرح
ل کرنا ہی حق ہوتا ہے۔ اگر ہم احتیاطی اور بد اعتدالی کی وجہ سے کوئی مضر صحت غذا کھالیں یا کسی عضو
صحتمندانہ استعمال کریں تو ہمارا معدہ یا متعلقہ عضو ہماری اس ناحق حرکت کے خلاف بغاوت کر دیتا ہے
ار پڑ جاتا ہے۔ ہم خود اپنے اختیار کا غلط استعمال کرتے ہیں لیکن ہمارے اپنے جسم کے اعضاء ہمارے
فیصلے میں ہمارا ساتھ نہیں دیتے کیونکہ وہ نظام حق کا حصہ ہیں۔ موجودہ دور کی ایک حیرت انگیز ایجاد
ٹ پکڑنے کا آلہ ہے جسے (Lie Detector) "کذب نما" کہا جاتا ہے۔ اس میں ملزم کے خون کے دباؤ
لب و تنفس کی رفتار ماپنے کے لئے اس کے جسم کے مختلف حصوں پر حساس آلات لگا دیئے جاتے ہیں
ر اس کا بیان لیا جاتا ہے۔ جب تک وہ سچ بولتا رہتا ہے اس کے جسم کے کل پرزے معمول کے مطابق
ہتے ہیں لیکن جوں ہی وہ کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس کے اندر ہلچل مچ جاتی ہے اور فوری طور پر اس
لب و تنفس کی رفتار اور خون کا دباؤ اس کی چغلی کھاتے ہیں اور اس کا جھوٹ پکڑا جاتا ہے۔ کیونکہ
عالیٰ نے انسان کو یہ خوبصورت اور پیچیدہ جسمانی مشین جھوٹ بولنے کے لئے نہیں بلکہ راہ حق پر چلنے
لئے عطا کی ہے۔ اسی طرح گناہ کے سارے کام اندرونی روحانی نظام کو مسخ کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم
رمایا گیا ہے کہ اہل ایمان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں اور جان لو کہ دلوں کا اطمینان اللہ
کر سے ہی ہے۔ انسانی قلب کو عرش الٰہی سے خاص نسبت ہے اور قلب ہی روحانی لہروں اور انوار کا
(Reciever • Transmi ریسیور اور ٹرانسمیٹر ہے۔ قرآن حکیم میں بیسیوں جگہ یہ حکم دیا گیا ہے
لتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اپنے دل میں اللہ کو یاد کرتے رہا کرو کیونکہ قلبی ذکر ہی سے انسان کا اللہ
ور روحانی عالم سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور دیدار کی عظیم نعمت
ی کی برکت سے عطا ہوتی ہے۔ اہل ایمان کے لئے اس ذکر کی برکات اور اس کے ثمرات بے حد و
ار ہیں لیکن اولین نعمت جو اللہ کے بابرکت نام کا کثرت سے ذکر کرنے سے ملتی ہے وہ اطمینان قلب

ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ تیرے رب ذوالجلال والاکرام کا نام ہی برکت والا ہے۔ اب سائنسی
طور پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ اس پاک نام کے ایک ایک حرف میں شفا اور رحمت کے خزانے چھپے ہوئے
ہیں۔ اسم ذات اللہ میں تین حروف الف' لام اور ہا (ا' ل' ہ) استعمال ہوئے ہیں۔ بلکہ کلمہ طیبہ کا پہلا جز
"لا الہ الا اللہ" جسے افضل الذکر فرمایا گیا ہے ان حروف پر ہی مشتمل ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت و برکت
اور روحانی فضائل کا بیان تو احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتا لیکن ان تین حروف کی آواز کی تھرتھراہٹ اور
صوتی اثرات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کا بے مثل سامان پوشیدہ کر رکھا ہے۔ ا
خدا کے وجود کے منکر اور روحانیت کے مخالف ڈاکٹر اور ماہرین نفسیات پریشان خیالی' ذہنی دباؤ اور تشویش
میں مبتلا مریضوں کو ذہنی سکون پہنچانے کے لئے (LAA-HAATECHIQUE) لا- ہاٹیکنیک استعمال کر
رہے ہیں۔ اس میں مریض کو خصوصی ہیلمیٹ پہنا کر ساؤنڈ پروف چیمبر میں رکھا جاتا ہے اور پھر مشینوں
کے پیدا کردہ لا۔ہا کے صوتی اثرات ہیڈ فون کے ذریعے اس کے دماغ تک پہنچائے جاتے ہیں جس سے وہ
انتہائی سکون محسوس کرتا اور ترو تازہ ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کے صرف جزوی استعمال کی
برکت ہے۔ جو اہل ایمان لا الہ الا اللہ کا ذکر روزانہ کرتے ہیں ان کی کیفیات کا کیا ہی کہنا ہے۔ اسی طرح اگر
اللہ تعالیٰ کے مبارک کلام کی یکسوئی کے ساتھ تلاوت کی جائے تو اس میں پوشیدہ نور' رحمت اور شفاء کے
اثرات محسوس ہونے لگتے ہیں۔ اب تو منکرین کے لئے بس ایک آنچ کی کسر باقی ہے۔ اگر وہ ایمان لا کر
الہ الا اللہ کا ذکر کرنا اور ذکر کی بہترین صورت نماز کی ادائیگی شروع کر دیں تو اللہ کے آخری رسول علیہ
الصلوۃ والسلام کے فرمان کے مطابق قلب کی ساری سیاہی دھل جائے اور زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو
جائے۔ انسان مومن کہلانے کا حقدار اسی وقت ہوتا ہے جب ایمان اس کے قلب میں داخل ہو جائے۔
اس نعمت کے حصول کا بہترین طریقہ اسم ذات یعنی "اللہ" کا قلبی ذکر ہے جسے اہل تصوف پاس انفاس کہتے
ہیں۔ یعنی یہ کوشش کرنا کہ کوئی سانس اللہ کی یاد کے بغیر نہ لیا جائے۔ جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ
بھی دل سے اللہ کہا جائے اور جو باہر نکلے اس کے ساتھ بھی اللہ۔ اس ذکر سے جسم کو راحت و آرام اور
قلب کو سرور و اطمینان کی جو دولت ملتی ہے اس کا تجزیہ غیر مسلموں کو بھی کرایا جانا چاہیے تاکہ وہ
طور پر اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت محسوس کر کے دین اسلام کی عظمت کے قائل ہو جائیں۔ مغ
معاشروں میں کبھی کبھی اتفاقیہ طور پر ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اور انہیں خوب شہرت
ہے۔ امریکہ کے سینٹ لوئیس ہسپتال میں کیتھرائن نام کی ایک عورت چھاتی کے کینسر کی مریضہ تھی ا
ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دے دیا تھا۔ اب وہ ہسپتال میں پڑی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی تھی

زندگی اور موت کی کشمکش میں اسے ایکدن اپنے خالق و مالک کا خیال آنا شروع ہو گیا۔ ایک مرتبہ گہری سوچ کے دوران اس کے ذہن میں اپنی مرحومہ نانی کی صورت ابھری جسے وہ زندگی میں اکثر پوچھا کرتی تھی کہ نانی اماں آپ ہروقت چپکے چپکے کیا پڑھتی رہتی ہیں تو وہ مسکرا کر جواب دیتی کہ بیٹی اپنے خدا کو جب بھی یاد کرو چپکے چپکے اور دل میں یاد کرو اور اس کے نور کو اپنے اندر جذب ہوتا ہوا محسوس کرو۔ جب کیتھی اس کی وجہ دریافت کرتی تو نانی اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتی اور کہتی۔

"کیونکہ بیٹی خدا کی یاد بھی خوراک ہوتی ہے۔ روح کی خوراک۔ یہ نہ ملے تو روح بیمار ہو جاتی ہے اور بیمار روح والے جسم زیادہ دن صحتمند نہیں رہتے۔ تم بھی چپکے چپکے خدا کو یاد کیا کرو ورنہ کروڑوں لوگوں کی طرح اندر سے گل جاؤ گی"

ایک دن اس نے اس بات پر غور کیا کہ خدا کو کیسے یاد کیا جاتا ہے تو اس کے دل میں آواز آئی کہ خدا سے مدد مانگنا ہی اسے یاد کرنا ہے۔ اس نے دل میں کہا HELP ME GOD "اللہ میری مدد فرما" تو پھر "گاڈ" یعنی اللہ کا نام اس کے دل میں گھر کر گیا۔ حتیٰ کہ اس نے ہر سانس کے ساتھ یہ جملہ دہرانا شروع کر دیا۔ پھر ایسا ہوا کہ ہر سانس کے ساتھ اسے آسمان سے ایک سفید نورانی شعاع اترتے اور جسم میں داخل ہوتے دکھائی دینے لگی جس سے اسے انتہائی سکون ملنے لگا۔ یہ مبارک جملہ اس نے کتنی بار دہرایا اسے یاد نہیں وہ جب تک جاگتی رہتی ہر سانس کے ساتھ "ہیلپ می گاڈ" کے الفاظ دہراتی رہتی اور جب سو جاتی تو اس کا دل یہ وظیفہ جاری رکھتا۔ چند دن بعد ہی کیتھرائن کی حالت حیرت انگیز طور پر بہتر ہونا شروع ہو گئی اور صرف تین ماہ بعد حیرت میں ڈوبے ہوئے ڈاکٹروں نے اسے مکمل طور پر صحت یاب قرار دے دیا۔

ڈاکٹروں اور طبی ماہرین نے جب کیتھی سے اس پراسرار روحانی صحتیابی کا راز دریافت کرنا چاہا تو اس نے کہا کہ اس کا نسخہ "ہیلپ می گاڈ" ہے۔ اس دھماکہ خیز روحانی معجزے نے طبی دنیا کو ایک نیا رخ عطا کیا۔ چنانچہ پورے امریکہ کے تمام معروف ہسپتالوں میں سروے کرایا گیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اللہ پر یقین رکھنے اور اس سے شفا طلب کرنے والے مریض دہریہ مریضوں کی نسبت جلد صحتیاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں (Positive Thinking) "مثبت سوچ" کی تھیوری سامنے آئی ہے اور مریضوں کو یہ خوشخبری دی جا رہی ہے کہ اگر وہ خدا کو سچے دل سے یاد کرتے ہوئے اس سے شفا اور مدد مانگنے کا طریقہ اپنا لیں تو لاعلاج امراض سے بھی مکمل اور یقینی شفا حاصل ہو سکتی ہے۔ مزید تحقیق سے دائمی ذکر، تسبیح و تہلیل اور نمازوں کے جسمانی اور روحانی فوائد آشکار ہوتے چلے جائیں گے اور ایک دن پوری نسل انسانی اللہ کے دین کی حقانیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

خواجہ عبدالحکیم نصار

اب ہم پیری اور مریدی کے کچھ آداب بیان کرتے ہیں۔

جب تم کسی مرشد کا انتخاب کر کے اس سے بیعت ہو جاؤ تو پھر تمہیں مندرجہ ذیل قواعد پر پوری طرح عمل کرنا چاہئے۔

جب تک بصیرت باطنی پیدا نہ ہو یا تمہارا مرشد اجازت نہ دے' حصول تعلیم یا کسب فیض کے لئے کسی دوسرے بزرگ کے پاس نہ جاؤ۔ اپنے مرشد کو دنیا کے باقی تمام زندہ بزرگوں سے زیادہ کامل سمجھو۔ خدا' رسول' صحابہ اور آئمہ کے بعد سب سے زیادہ محبت اپنے مرشد سے کرو' ان کے احکام اور ہدایات پر آنکھ بند کر کے عمل کرو۔ اگر پیر کا کوئی اشارہ سمجھ میں نہ آئے تو مناسب وقت اور تخلیہ میں نہایت ادب کے ساتھ اس کا مطلب پوچھو۔ شیخ کی مجلس میں ادب سے خاموش بیٹھو' خود ہرگز نہ بولو۔ شیخ کو بولنے کا موقع دو اور جو کچھ وہ کہے' غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔ یاد رکھو کہ تم بزرگوں کے پاس کچھ سیکھنے جاتے ہو ان کو سکھانے نہیں جاتے۔ جو لوگ بزرگوں کی مجلس میں خود بولتے رہتے ہیں اور ان کو بولنے کا موقع نہیں دیتے وہ نہ صرف بدتمیزی کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ اپنا اور دوسرں کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ اگر شیخ خاموش ہو لیکن مراقبہ یا عالم استغراق میں نہ ہو تو کوئی مناسب سا سوال کر دو تا کہ وعظ و نصیحت اور حکمت و معرفت کا دریا بہنے لگے۔ شیخ سے بحث و مباحثہ کبھی نہ کرو' اس کے سامنے حرکات و سکنات میں انتہائی ادب ملحوظ رکھو' لیکن یہ خیال رہے کہ معاملہ تعبد کی حد تک نہ پہنچ جائے' مثلاً" اتنا جھکنا کہ رکوع سے مماثلت پیدا ہو' سجدہ کرنا یا مجلس میں اس طرح بیٹھنا جیسے نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بیٹھتے ہو ہرگز درست نہیں' لیکن یہ بھی نہیں چاہئے کہ شیخ کی مجلس میں لیٹ جاؤ یا پاؤں پھیلا کر بیٹھو۔

مریدوں کے علاوہ عام لوگ بھی جب کسی بزرگ کی مجلس میں جائیں تو ان کو بھی انہی آداب کا خیال رکھنا چاہئے۔ انہیں چاہئے کہ بزرگوں کی مجلس میں جا کر دنیا کی باتیں ہرگز نہ کریں' ان سے غیب کی باتیں ہرگز نہ پوچھیں' یہ فقر اور بزرگی کی سب سے بڑی توہین ہے۔ یہ کام بزرگوں کا نہیں بلکہ نجومیوں' رمالوں اور پامسٹوں وغیرہ کا ہے اور اس پر یقین کرنا بھی منع ہے۔ سورۃ الانعام آیت ۵۰ میں اللہ تعالیٰ سرور دو عالم ﷺ کو خطاب کرتا ہے۔

"کہہ دے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں نہ

فرشتہ ہوں"۔

جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ رسول کو بھی غیب کا علم نہیں تو تم اولیاء اللہ سے کیوں یہ امید رکھتے ہو کہ وہ تمہیں مستقبل کا حال بتائیں۔ اولیاء اللہ کے پاس تعویذ گنڈوں کے لئے بھی نہیں جانا چاہئے یہ کام عاملوں کا ہے۔ اولیاء اللہ تعویذ گنڈے کبھی نہیں کرتے' وہ صرف دعا کرتے ہیں' ان کے پاس دعا کرانے کو بے شک جاؤ۔ دعا کرانے کا طریقہ بھی یہ ہے کہ کسی بزرگ کے سامنے جا کر لمبی چوڑی داستانیں اور پچھلی ہسٹری اور قصے جیسے کہ مقدمات میں وکلاء یا بیماریوں میں ڈاکٹروں یا حکیموں کے سامنے بیان کرتے ہو ہرگز نہ کرو' بلکہ صرف دو الفاظ میں کہو کہ میں فلاں امر کے لئے دعا چاہتا ہوں۔ یاد رکھو کہ دنیاداری کے لمبے چوڑے قصے سننے سے شیخ کا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹ جاتا ہے اور اس کی طبیعت منغض ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں دعا دل سے نہیں نکلتی۔ الغرض شیخ کی مجلس میں کوئی حرکت ایسی نہ کرو جس سے اس کی طبیعت مکدر ہو جائے۔ اگر تمہاری باتوں سے اس کی طبیعت خوش ہو گی اور کیف پیدا ہو گا تو اس حالت میں دعا بھی مقبول ہو گی۔ اگر کوئی بزرگ تم سے وعدہ کرلے کہ انشاء اللہ تمہارا کام ہو جائے گا تو بار بار اس سے تقاضا مت کرو۔ یاد رکھو وہ تمہارا مقروض نہیں ہے۔ ہاں کبھی کبھار تذکرۃ ادب کے ساتھ یاد دہانی کرا دو تو مضائقہ نہیں۔ جس مقصد کے لئے دعا کرائی ہے اگر اس میں کامیابی ہو جائے تو تمہارا اخلاقی فرض ہے کہ بزرگ کو اس کی اطلاع دو اور اللہ تعالیٰ اور اس بزرگ کا شکریہ ادا کرو۔ سب سے اچھا یہ ہے کہ بزرگوں کی مجلس میں بالکل بے غرض ہو کر صرف پند و نصائح سننے کو جاؤ۔

بزرگوں کو دعا کے بدلے میں شکرانہ' نذرانہ وغیرہ ادا کرنا جائز نہیں البتہ کبھی کبھی ہدیہ یعنی تحفے دیئے جا سکتے ہیں' کیونکہ ہدیہ لینا اور دینا شرعاً جائز ہے۔ اس سے محبت بڑھتی اور روابط مضبوط ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ ہدیہ کسی کام کی اجرت میں نہیں دیا جاتا' یہ محض خلوص و محبت کی نشانی کے طور پر دینا چاہئے۔ جو بزرگ محتاج اور مفلوک الحال ہوں ہدیہ کے ذریعہ ان کی خدمت کرنا بہت ثواب کی بات ہے۔ اس طرح وہ دنیا کے بہت سے افکار سے بے نیاز ہو کر وعظ و تلقین سے خلق خدا کی خدمت اور سکون سے اللہ اللہ کر سکتے ہیں' مگر اہل اور نااہل کو ضرور دیکھ لینا چاہئے' ایسے بزرگوں کی مدد کا حکم قرآن میں بھی ہے۔

جس طرح مریدوں اور عوام کے لئے اوپر بتائے ہوئے آداب ضروری ہیں' اسی طرح بزرگوں کو بھی مریدوں اور عوام کے ساتھ ملتے وقت چند آداب' قواعد کا خیال رکھنا ضروری ہے' مثلاً" جو

لوگ ملنے آئیں ان کو بہت دیر تک ملاقات کے انتظار کی تکلیف نہیں دینا چاہئے۔ یاد رکھنا چا
کہ آپ فقیر اور اللہ کے ایک عاجز بندے ہیں 'کہیں کے گورنر اور ڈپٹی کمشنر نہیں جو لوگوں
گھنٹوں انتظار میں رکھتے ہیں۔ ملاقات کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا جائے تو بہت اچھا ہے
حاضرین سے نہایت محبت و مدارات سے پیش آنا چاہئے 'اگر کسی سے کوئی بدتمیزی سرزد ہو تو
نہیں ماننا چاہئے بلکہ خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہئے۔ کسی کو اس کے عیب صاف صاف بہ
ڈانٹنا اور برا بھلا کہنا فقیر کی شان کے خلاف ہے۔ بلکہ نصیحت ہمیشہ اشارے اور پردے میں
چاہئے 'مثلاً" کسی شخص میں کوئی عیب ہو تو اس عیب کی خرابیاں اس شخص کے سامنے بیان کی جا
'خود اس شخص کو برا بھلا نہ کہا جائے 'چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة ○ (النحل - 125)

اس کا مطلب ہی یہ ہے۔

بزرگوں کے پاس لوگ اکثر اس وقت آتے ہیں جب ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ آ
والوں میں اکثر بہت ہی مظلوم 'دکھی اور محتاج لوگ ہوتے ہیں۔ وہ خدا جانے دل میں کیا کیا امید
لے کر حاضر ہوتے ہیں 'ان کو جھڑکنا اور ان پر ناراض ہونا فقیروں اور بزرگوں کا کام نہیں 'یہ دنیا
حکام کا کام ہے۔ فقیروں کو اس بات سے ہمیشہ مجتنب رہنا اور "واما السائل فلا تنھر" کو ہمیشہ پیش نظ
رکھنا چاہئے۔ یاد رکھو "صاحب الغرض مجنون" کوئی ایسی حرکت نہ کرو کہ ان کے دلوں کا زخم او
گہرا ہو جائے۔ ان آنے والوں میں شرابی 'زانی 'چور 'ڈاکو وغیرہ سب ہی لوگ ہو سکتے ہیں 'فقراء
یہ منصب نہیں کہ گناہوں کی وجہ سے ان سے نفرت کریں اور ان کو اپنی بارگاہوں سے دھکے د
کر نکلوا دیں۔ فقراء کا فرض تو ان کی اصلاح ہے اور اصلاح صرف پیار 'محبت اور باطنی ہمت ص
کرنے سے ہوتی ہے 'مار دھاڑ سے نہیں ہوتی۔ اگر تم ان کو اپنی مجلس میں بیٹھنے ہی نہ دو گے تو
اصلاح کس طرح ہو گی۔

بزرگوں کو اہل غرض کی تمام جائز باتوں کے لئے دعا کرنی چاہئے اور ایسا میٹھا بولنا چاہئے کہ ا
محسوس ہو کہ کسی نے زخم دل پر مرہم رکھ دیا ہے۔ غیر مذاہب کے لوگ بھی بزرگوں کی خد
میں حاضر ہوتے ہیں 'ان کے ساتھ اس قدر حسن خلق اور محبت سے پیش آنا چاہئے کہ وہ اس
اخلاق اور تعلیم قرآن کی عقیدت و محبت دلوں میں لے کر واپس جائیں۔

ماخوذ از "تعمیر ملت"

باباجیؒ کے دوست

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

سلسلہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ دہلی سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے آپ نے وہاں انڈین آرمی کے ہیڈ کوارٹر میں مترجم کی حیثیت سے ملازمت بھی کی تھی۔ راقم الحروف ائیر فورس کی ملازمت کے دوران 1964ء سے 1968ء تک رسالپور میں تعینات تھا۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ قبلہ حضرتؒ کے دو دوستوں سے میری ملاقات رسالپور میں ہوئی۔ وہاں میری رہائش صدر بازار میں جگی بلڈنگ کے پاس مبارک شاہ صاحب سے لئے ہوئے کرائے کے مکان میں تھی۔ ایک دن دروازے پر دستک ہوئی تو باہر آکر دیکھا کہ پاجامہ کرتہ میں ملبوس' سیاہ رنگ کی رامپوری ٹوپی پہنے' داڑھی مونچھ صاف ایک دھان پان سے بزرگ کھڑے ہیں۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ میرا نام عزیز احمد ہے اور میں انصاری صاحب کا دوست ہوں۔ میں لاہور گیا تو انہوں نے مجھے اپ کے نام خط دیا۔ یہ سن کر مجھے دلی مسرت ہوئی۔ میں نے انہیں اندر بٹھایا اور ان سے خوب گپ شپ ہوئی۔ وہ ہمارے قریب ہی ریلوے پھاٹک کے ساتھ واقع کنٹونمنٹ ڈسپنسری کے سامنے رہتے تھے اس لئے ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ انہیں حصرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی مجالس میں حاضری کا شرف بھی حاصل تھا اس لئے ان سے اپنے بزرگوں کی بڑی مزے مزے کی باتیں سننے کو ملتیں۔ وہ بہت ہی کم گو اور سیدھے سادے انسان تھے۔ کچھ عرصہ بعد قبلہ حضرتؒ نے ایک مجلس میں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

"عزیز احمد واقعی میرا دوست تھا۔ ہم نے کافی وقت اکٹھے گذارا۔ وہ بہت ہی پر خلوص اور بھولا بھالا انسان ہے۔ ہم دہلی میں تھے تو اس نے مجھ سے شادی کرنے کے بارے میں مشورہ کیا۔ میں نے کہا کہ تم تو بڑے فیشن ایبل اور شاہ خرچ قسم کے انسان ہو بھلا اس تنخواہ میں بیوی بچوں کا خرچہ کس طرح پورا کرو گے۔ اکیلی بیوی ہی کا مسئلہ تو نہیں ہے شادی کے بعد دو چار بچے بھی تو ہوں گی۔ اگر تمہارا بجٹ ایک کنبے کی کفالت کر سکتا ہے تو خوشی سے شادی کر لو۔ وہ شریف آدمی اس حساب

کتاب میں ایسا پڑا کہ عمر بھر شادی ہی نہیں کی۔ وہ رسالپور میں اپنی بہن کے پاس رہتا تھا۔ ملازمت سے جو رقم ملی وہ اس نے اپنے بھانجوں کی تعلیم وغیرہ پر خرچ کر دی۔ وہ گذشتہ برس عمرے پر جانے سے قبل مجھے ملنے آیا تھا اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں۔ اللہ جانے وہ کہیں وہاں ہی نہ رہ گیا ہو"

قبلہ حضرت ؒ کے جو دوسرے دوست رسالپور میں اتفاق سے دریافت ہوئے ان کا اسم گرامی حاجی محمد ظریف تھا اور وہ اپنے صاحبزادے محمد یونس صاحب جو اس وقت ائر فورس میں فلائٹ لفٹیننٹ تھے کے ساتھ مقیم تھے۔ حاجی صاحب کا معمول تھا کہ آپ ہر سال ایام حج میں ایک محفل منعقد کر کے اپنے حج کے واقعات بیان کر کے اپنی مقدس یادیں اور سامعین کا ایمان تازہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ مجلس ہمارے بھائی ملک رمضان میاں کے گھر میں منعقد ہوئی جس میں تمام حاضرین ہمارے توحیدی بھائی تھے۔ حاجی صاحب کے بیان کے بعد جب عام گفتگو ہوئی اور باتوں کا رخ روحانیت کی طرف مڑا تو قبلہ حضرت ؒ کا ذکر چھڑ گیا۔ خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ کا نام سن کر حاجی صاحب چونک پڑے اور فرمایا کہ "کیا یہ خواجہ عبدالحکیم انصاری دہلی کے رہنے والے تو نہیں ہیں جو کبھی آرمی ہیڈ کوارٹر میں ملازمت کرتے تھے؟ کیا وہ پیر بن گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ یہ وہی انصاری صاحب ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی ہے اور ہم سب بھائی ان کے حلقہ بیعت میں شامل ہیں۔ اس پر حاجی صاحب نے بتایا کہ وہ بھی انصاری صاحب کے ساتھ ہی ملازم تھے۔ اس کے بعد سلسلہ توحیدیہ اور بانی سلسلہ ؒ کے بارے میں تفصیل سے بات چیت ہوتی رہی۔ پھر حاجی صاحب نے قبلہ حضرت ؒ سے خط و کتابت کے لئے ان کا ایڈریس بھی لے لیا۔ حاجی صاحب اللہ کے فضل سے تہجد گذار اور زاہد و عابد قسم کے انسان تھے۔ قبلہ حضرت ؒ کی ہدایت پر آپ چند ماہ ہماری ذکر کی محفلوں میں بھی شامل ہوتے رہے۔ پھر ہم انہیں 1966ء کے سالانہ اجتماع پر اپنے ساتھ نوشہرہ ورکاں لے گئے تاکہ آمنے سامنے حساب دوستاں ہو سکے۔

چنانچہ وہاں دونوں بزرگوں کی خوب محفل جمی اور حاجی صاحب اپنی دوستی کا حق جتا کر اصرار کرتے رہے کہ ایک ہی نظر میں میرا کام کر دیں۔ قبلہ حضرت ؒ نے فرمایا کہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمتی۔ کچھ دیر جم کر اللہ اللہ کرو دو تین برس میں تمہارا کام ہو جائے گا۔ اس پر حاجی صاحب نے کہا کہ اتنا انتظار نہ کراؤ بوڑھا آدمی ہوں زندگی کا کیا اعتبار ہے۔ یہ سن کر قبلہ حضرت ؒ نے فرمایا "خدا

کی قسم تم نہیں مرو گے لاؤ میں لکھ کر دے دیتا ہوں" حاجی صاحب تصوف کی کتابوں کے حوالہ سے عرض کرتے کہ بزرگ تو نگاہوں کے خنجر کے ایک ہی وار سے کام تمام کر دیتے تھے آپ بھی میرے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ کریں۔ قبلہ حضرتؒ نے انہیں تشفی دی اور بڑے پیار سے سمجھایا کہ فقیری کا راستہ عاشق لوگوں کا ہے اور آپ میں عشق کی کمی ہے۔ میں نگاہوں کا خنجر تو مارتا ہوں لیکن آپ کے دل پر کثرت عبادت سے ریشم اور زربفت کے اتنے تھان لپٹے ہوئے ہیں کہ خنجر اثر ہی نہیں کرتا۔ آپ ماشاء اللہ پانچ وقت کے نمازی ہیں، تہجد گذار ہیں، ہر وقت ذکر و اذکار میں مشغول رہتے ہیں تو اللہ جنت تو دے ہی دے گا۔ آپ کو کیا مصیبت پڑی ہے فقیری کے بکھیڑوں میں پڑنے کی۔ اگرچہ حاجی صاحب کے من کی مراد تو پوری نہ ہوئی لیکن اجتماع پر حاضر برادران سلسلہ حاجی صاحب اور قبلہ حضرتؒ کے مکالمہ سے بڑے محفوظ ہوئے اور حاجی صاحب کو مدتوں یاد کرتے رہے۔ قبلہ حضرتؒ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ حاجی ظریف صاحب ملازمت کے دوران ہمارے ساتھی ضرور تھے لیکن مزاج کے اختلاف کی وجہ سے ان سے ہماری دوستی اتنی گہری نہ تھی۔

ریڈیو پاکستان کی مشہور شخصیت زیڈ اے بخاری آپ کے نہایت ہی بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا۔ "ہم جب کراچی میں اکٹھے تھے تو بخاری سے خوب ملنا جلنا رہتا تھا۔ ان کے ساتھ بے تکلف مجلسیں جمتیں اور دوستانہ مزاح ہوتا۔ ایک دن میں اسے ملنے گیا تو خلاف معمول وہ بڑے سنجیدہ اور مودب طریقے سے پیش آیا۔ میں نے کہا سالے آج تجھے کیا سانپ سونگھ گیا ہے۔ جو یہ بیگانگی برت رہے ہو۔ اس نے کہا انصاری صاحب۔ میں معذرت خواہ ہوں آئندہ آپ مجھ سے کسی بدتمیزی یا بے تکلفی کی توقع ہرگز نہ رکھیں۔ وجہ پوچھنے پر اس نے کہا کہ پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ پیر بھی ہیں۔ اب مجھے پتہ چل گیا ہے اس لئے آپ کا احترام مجھ پر واجب ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ پیر ہوں گا تو دوسروں کا تمہارا تو نہیں ہوں۔ لیکن وہ نہیں مانا۔ پھر ہم نے اس کے پاس جانا ہی بند کر دیا۔ ہم تو جاتے تھے کہ بے تکلف دوستوں میں بیٹھ کر خوش گپیاں لگانے کا موقع مل جاتا تھا۔ لیکن کسی ظالم نے وہاں بھی ہماری مخبری کر دی اور ہمیں دوستوں کی محفل سے محروم کر دیا"

(تدوین و ترتیب خالد مسعود توحید

1۔ قدرت کی سزا

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1962/2/5

"ریاض صاحب سے کہنا کہ حلقہ میں رہنا ہے تو اس قسم کی حرکتیں نہ کریں ورنہ قدرت کی طرف سے سزا ملے گی۔ ہم تو کچھ نہیں کہتے مگر اللہ جانتا ہے وہ برداشت نہیں کرے گا۔ سزا دے گا۔ بیسیوں نے آزمالیا اور جس کا دل چاہے آزمالے"

2۔ انسٹرکٹری پسند نہیں

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1964۔8۔21

"انسٹرکٹری تو مجھے پسند نہیں۔ آدمی بندھ کر رہ جاتا ہے۔ ویسے اگر تبادلہ لاہور، راولپنڈی سرگودھا ہو جائے تو اچھا ہے۔ لاہور سب سے اچھا ہے مگر آپ کی ضرورت تو پنڈی میں زیادہ ہے"

3۔ لالچ میں نہ آئیں

(بنام محمد قاسم صاحب 1962/6/

"حکیم صاحب سے کہیں کہ زمرد کی تلاش کا کام خطرناک ہے۔ احتیاط سے کریں اور زیادہ لالچ میں نہ آئیں۔ اور مجھے اطلاع دئے بغیر اس مرتبہ قبائلی علاقہ میں نہ جائیں"

4۔ قرضہ کی واپسی

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1963/9/

"کابل صدیقی صاحب سے کہیں کہ اگر ابھی تک وہ قرضہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہوئے تو بھی کم از کم دس روپے ماہوار ضرور بھیج دیا کریں۔ اس سے ان کی مصیبتوں میں اضافہ تو نہیں ہوگا بلکہ آسانی ہو جائے گی آزما کر دیکھ لیں۔ جواب دیں کہ انہوں نے کیا کہا"

5۔ گناہ کا خطرہ

(بنام قاسم خان صاحب 11/7/1962)

"آپ نے لکھا ہے کہ اس مرتبہ صرف ایک دعا کے لئے درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے دعا کر دی ہے اور وہ بچائے گا بھی ضروری مگر کیا کسی خاص گناہ کے سرزد ہو جانے کا خطرہ ہے؟"

... مل کر رہے گا

(بنام قاسم خان صاحب 4/3/1965)

"آپ کے لئے جو کچھ ہے مل کر رہے گا حق بھی اور دنیا بھی۔ آپ کو دنیا بھی ضرور ملے گی اور خوب ملے گی اور روحانی بلندی بھی بہت زیادہ نصیب ہو گی۔ یہ میرا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر"

... موت سے پہلے پوچھیں گے

(بنام قاسم خان صاحب 13/3/1965)

"شکر ہے آپ کی تسلی ہوئی مگر کچھ زیادہ یقین معلوم نہیں ہوتا۔ گھبراؤ نہیں ایسا بھی کیا ہے کہ بغیر نوٹس اور بغیر پوچھے بلا لیں گے۔ ہمیں تو یقین ہے کہ پہلے پوچھیں گے۔ اگر ہمارا دل چاہا اور جانے پر رضامندی ظاہر کر دی بلا لیں گے ورنہ اور چھٹی (Extend) کر دیں گے"

حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ

(غلام مرت...

آپ کی نسبت باطنی حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ سے ہے۔ اور حضرت خواجہ کے ا...
خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش اور جائے وصال قریہ سماس ہے جو علاقہ رامتین میں ا...
گاؤں ہے اور رامتین سے ایک کوس دور اور بخارا سے تین کوس پر واقع ہے جب حضرت خوا...
عزیزان کا وقت وصال قریب آیا تو آپ نے خواجہ محمد بابا سماسیؒ کو اپنے اصحاب میں سے منتخب فرما...
اپنی خلافت اور نیابت سے مشرف فرمایا اور اپنے تمام احباب کو حضرت بابا کی پیروی اور صحبت کا ...
فرمایا۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ کے فرزند قبول ہیں حضرت باباؒ ...
نقشبند کی ولادت سے پہلے جب قصر ہندواں سے گذرتے تو فرماتے کہ اس خاک سے ایک مرد خدا ...
خوشبو آتی ہے اور بہت جلد یہ علاقہ قصر عارفاں بن جائے گا۔ جب وقت ولادت قریب آیا تو آ...
نے فرمایا کہ اب وہ خوشبو اور زیادہ ہو گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد خدا پیدا ہو گیا ہے جب آ...
نے یہ الفاظ مبارک فرمائے اس وقت حضرت شاہ نقشبند کی ولادت کو تین روز ہو چکے تھے۔ کہ ا...
اثنا میں آپ کے جد امجد آپ کو حضرت خواجہ محمد بابا قدس سرہ کی خدمت مبارک میں لے کر حا...
ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارا فرزند ہے اور ہم نے اس کو اپنی فرزندی میں قبول کیا پھر ا...
اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد مبارک فرمایا کہ یہ وہی مرد خدا ہے جس کی خوشبو ہمیں آتی ...
اور عنقریب یہ لڑکا مقتدائے زمانہ ہو گا پھر آپ نے اپنے خلیفہ کامل و اکمل حضرت سید امیر کلا...
قدس سرہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ میرے فرزند بہاؤالدین کی تربیت کرنے میں اگر تم نے ...
کمی کی تو میں تمہیں معاف نہ کروں گا حضرت امیرؒ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت ادب ...
عرض کیا کہ میں اگر ان کی تربیت میں کمی کروں گا تو میں مرد نہیں ہوں۔ حضرت خواجہ نقشبند...
فرماتے ہیں کہ جب میری شادی کا زمانہ قریب آیا تو میرے جد بزرگوار نے مجھ کو حضرت خواجہ محمد...
سماسی قدس سرہ کی خدمت مبارک میں بھیجا تا کہ آپ کی قدم بوسی کی برکت سے یہ کام انجام کو پ...
جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے سماس پہنچا اور آپ کی مسجد میں دو رکعت نما...

پڑھی اور سر سجدہ میں رکھا اس وقت میری زبان سے نکلا اے خدا اپنی بلاؤں کے اٹھانے کی طاقت مجھ کو عطا فرما اور اپنی محبت کی محنت کی برداشت مجھ کو دے جب میں حضرت بابا قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے فرزند یہ دعا کرنی چاہیے کہ اے خدا جو کچھ آپ کی مرضی میں ہو اس پر قائم رہنے کی اس بندہ ضعیف کو اپنے فضل و کرم سے اور مہربانی سے توفیق عطا فرما۔ اور فرمایا کہ خدائے بزرگ و برتر کی مرضی بھی یہی ہے کہ بندہ بلاؤں میں مبتلا نہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اپنے کسی دوست پر کوئی بلا نازل کرتا ہے تو اس کو برداشت کی طاقت بھی عطا فرماتا ہے اور اس کی مصلحت کو بھی اس پر ظاہر فرماتا ہے۔ اپنی خواہش سے بلا کو طلب کرنا نہ چاہیے یہ گستاخی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند فرماتے ہیں کہ جب حضرت بابا دعوت کو قبول فرما کر میرے ساتھ تشریف لانے کے لئے چلے تو پہلے اپنے گھر سے کھانا طلب فرما کا تناول فرمایا اور میری روٹی مجھے عطا فرمائی اور فرمایا کہ اسے حفاظت سے رکھنا آپ روانہ ہوئے اور میں نہایت نیاز مندی سے آپ کے ہمراہ چلتا رہا اثناء راہ میں میرے باطن میں کوئی کمی یا خطرہ پیدا ہوتا تو آپ فرماتے کہ باطن کی حفاظت کر۔ اس سے پہلے ہمیشہ جب آپ باغ جوی مولیاں میں جاتے تو ایک عقیدت مند کے مکان پر ٹھہرا کرتے اس بار بھی اپنی سابقہ عادت کے مطابق راستہ میں جب وہاں پہنچے تو اس مخلص کے ہاں تشریف فرما ہوئے اس نے نہایت ہی خوشی کے ساتھ نیاز مندی کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے دیکھا کہ اس کی گھر والی بڑھیا بے قرار ہے کبھی باہر جاتی ہے اور کبھی اندر آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صحیح صحیح حال بیان کرو۔ اس نے عرض کیا کہ دودھ تو موجود ہے روٹی نہیں ہے ہرچند جستجو کر رہی ہوں مگر روٹی دستیاب نہیں ہوئی تاکہ روٹی اور دودھ آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ وہ روٹی دو کہ اس نیاز مند کا دل مطمئن ہو اے فرزند تو نے دیکھا کہ یہ روٹی کام آئی۔ راستہ میں اسی طرح اور بھی بہت سی کرامتیں مشاہدہ میں آئیں اور مجھ کو حضرت سے اعتقاد کامل ہو گیا۔ حضرت کا وصال شریف 755ھ میں ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت سید امیر کلالؒ

آپ کی نسبت باطنی حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ سے ہے آپ حضرت خواجہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ آپ صحیح النسب سید ہیں آپ کی پیدائش اور وصال کی جگہ سوخار ہے آپ کوزہ گری کا

کام کرتے تھے بخارا کی زبان میں کوزہ بنانے والے کو کلال کہتے ہیں حضرت ابتداء جوانی میں کشتی
کرتے تھے آپ کے ارد گرد معرکہ اور ہنگامہ ہوا کرتا تھا ایک روز اثنائے کشتی ایک شخص کے
میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ سید زادہ کشتی کیوں لڑتا ہے یہ تو اہل بدعت کا طریقہ ہے اس کو
اکھاڑہ میں نیند آگئی کیا دیکھا ہے کہ قیامت برپا ہے اور وہ خود سینہ تک کیچڑ اور مٹی میں پھنس گیا
اور بے حد پریشان ہے اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ حضرت سید امیر کلال تشریف لائے اور انہوں
اس کے دونوں بازو پکڑ کر آسانی کے ساتھ اس کیچڑ میں سے نکال دیا جب وہ شخص بیدار ہوا تو آ
نے اس کو فرمایا کہ ہم زور آزمائی اسی دن کے لئے کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک دن آپ ایک اکھ
میں کشتی لڑ رہے تھے کہ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہ وہاں سے گذر رہے تھی کہ اکھاڑ
طرف تشریف لے آئے اور بڑی توجہ کے ساتھ کشتی دیکھنے لگے حضرت کے بعض اصحاب کے
میں خیال پیدا ہوا کہ اہل بدعت کے اس معرکہ کی طرف حضرت کیوں متوجہ ہوئے ہیں حضرت
فورا" اس کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد مبارک فرمایا کہ اس معرکہ میں ایک مرد ہے جس کی صحب
سے بہت سے لوگ درجہ کمال کو پہنچیں گے اس پر ہماری نظر ہے فرمایا کہ فقیر چاہتا ہے کہ اس کو
شکار کروں اسی اثناء میں کہ حضرت خواجہ حضرت سید امیر کی طرف متوجہ تھے کہ حضرت امیر کی ن
حضرت خواجہ کے روئے مبارک پر پڑی تو حضرت امیر حضرت خواجہ کی تصرف سے کشتی چھوڑ
فورا" حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت خواجہ وہاں سے واپس اپنے گھر کی طر
تشریف لائے تو حضرت سید امیر کلال حضرت خواجہ کے پیچھے پیچھے حضرت خواجہ کے گھر حاضر ہو
تو حضرت خواجہ نے حضرت امیر کو خلوت خاص میں لے جا کر طریقہ عالیہ کی تلقین فرمائی اور ا
فرزندی میں قبول فرمایا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت سید امیر کلال قدس سرہ کی خدمت مبارک
حاضر رہے ہفتہ میں دو بار پیر اور جمعرات کو قریہ سوخار سے حضرت خواجہ کی خدمت عالی میں سا
تشریف لے جاتے تھے اور حضرت خواجہ کی خدمت عالی سے مشرف ہوتے اور واپس آ جاتے
دونوں گاؤں کا فاصلہ پانچ کوس ہے آپ اس آنے جانے میں حضرات خواجگان قدس اللہ اسرار
کے طریقہ میں اس طرح مشغول رہتے کہ کوئی شخص مطلع نہ ہو سکے یہاں تک کہ آپ نے حضر
خواجہ کی تربیت میں تکمیل اور ارشاد کی دولت کو حاصل کر لیا آپ کا وصال شریف 772ھ بر
جمعرات 8 جمادی الاول بوقت نماز فجر ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون مزار شریف قصبہ سوخار میں ہے۔

(غلام الثقلین نقوی)

امریکہ میں گزرنے والا یہ واقعہ قرآن کریم کی صداقت پر دور جدید کی سب سے بڑی گواہی ہے۔

امریکی شہر فلاڈیلفیا میں دنیائے طب کی تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا جب دو بچوں کی ماں ہیلن 35 سال تک مسلسل بیہوشی کے بعد اچانک ہوش میں آئی تو وہ پہلے جیسی نوجوان عورت تھی اور وقت ہیلن کو جسمانی طور پر متاثر نہیں کر سکا۔

یہ خبر امریکہ کے جریدے "ویکلی ورلڈ نیوز" مورخہ 7 مئی 1996ء کے خصوصی ایڈیشن میں چھپی تھی۔ اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

فلاڈیلفیا (پی اے) ہیلن ٹارسٹین آج سے پینتیس سال پہلے ایک حادثے کی وجہ سے کومے (بیہوشی) میں چلی گئی تھی اور 1961ء سے اب تک اس کی عمر میں ایک دن کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ 20 فروری 1996ء کو جب دو بچوں کی ماں معجزاتی طور پر بیدار ہوئی تو اس کی عمر 67 سال تھی لیکن وہ اتنی کم عمر نظر آتی تھی جیسے اپنے ہی بیٹی کی اولاد ہے۔

ہیلن کے خاوند کارل نے بتایا "ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہم نے آج تک کوئی ایسا کیس نہیں دیکھا کہ کومے (بے ہوشی) میں گئے ہوئے کسی شخص کی عمر میں اضافہ رک گیا ہو۔ عام طور پر ذہنی لحاظ سے وقت ان کے لئے ساکن ہو جاتا ہے لیکن ان کا جسمانی عمل جاری رہتا ہے۔ ہیلن کے کیس میں کسی وجہ سے سب کچھ رک گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کا حیاتیاتی عمل پنتیس سال کے لئے معطل ہو گیا ہو"

گندمی رنگ اور بھورے بالوں والی یہ خوبصورت ماں جس کا وجود ایک معجزہ ہے' کہتی ہے کہ اسے اس خوفناک لمحے کے بعد کی کوئی بات یاد نہیں جب وہ اپنے گھر کے سامنے پورچ پر سفیدی کرتے ہوئے سیڑھی سے گر پڑی تھی اور اس کا سر کنکریٹ کے فرش سے جا ٹکرایا تھا۔ اس خاتون کو جس کی عمر بتیس سال تھی' سر کی شدید ضرب کے علاج کے لئے ایک اسپتال میں داخل کرایا گیا لیکن

چار مہینوں کے علاج کے بعد بھی ہوش نہ آیا تو اسے ایک نرسنگ ہوم میں منتقل کر دیا گیا۔

کارل نے اپنی یادوں کو کریدتے ہوئے کہا "جب یہ حادثہ پیش آیا میرے بیٹے چپ کی عمر چند برس اور بیٹی تھیلما صرف آٹھ سال کی تھی۔ ہیلن مکمل طور پر بے ہوش تھی۔ اس کی آنکھ حرکت سے محروم تھی اور بیداری کی کوئی ادنی سی علامت بھی نظر نہ آتی تھی۔ چپ اور تھیلما نرسنگ ہوم میں جاتے اور ہیلن کے پلنگ کے پاس کھڑے ہو کر آنسو بہاتے لیکن وہ کسی رد عمل کا اظہار نہ کرتی۔ چند برس بعد ہم اس کے شفایاب ہونے سے مایوس اور اپنے روزانہ کے معمولات میں مشغول ہو گئے۔ ہفتے دو ہفتے بعد ہم اسے دیکھنے جاتے لیکن یہ ملاقاتیں بے سود ہی ثابت ہوتیں اس کی طرف سے جان پہچان کا ذرہ بھی اظہار نہ ہوتا"

جوں جوں سال گزرتے گئے ڈاکٹر اور ہیلن کے گھر کے لوگ محسوس کرنے لگے کہ اس بے ہوش خاتون کی جسمانی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آ رہی۔ وہ نرسنگ ہوم کے پلنگ پر بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھی اور ماہ و سال کے گزرنے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

اس کے بچے جوان ہو گئے۔ دونوں گریجویٹ ہوئے' شادیاں کیں اور اب وہ بال بچوں والے تھے لیکن اس اثنا میں ہیلن تھی جس نے تغیر کو قبول نہ کیا۔ اس کے خاوند کی توند نکل آئی اور بال سفید ہو گئے۔ لیکن ہیلن کے حسن و شباب میں کوئی فرق نہ آیا۔

ایک رات جب نرس بستر کی چادریں تبدیل کر رہی تھی' ہیلن اچانک بیدار ہو گئی۔ کارل کہتا ہے "مجھے نرسنگ ہوم سے فون آیا اور میں فوراً وہاں پہنچا۔ ہیلن ہوش میں آ چکی تھی اور مکمل طور پر صحت یاب معلوم ہو رہی تھی لیکن اسے قطعاً یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں کون ہوں۔ ڈاکٹر یہ عقدہ حل کرنے سے معذور ہیں کہ وہ اچانک کیسے ہوش میں آ گئی؟؟"

اس معجزاتی بیداری کے بعد چند دنوں کے اندر اندر کومے میں گئی عورت کو احساس ہو گیا کہ وہ اپنی زندگی کے چھتیس سال کھو چکی ہے اور یہ کہ ستر سالہ کارل اس کا شوہر ہے۔ وہ پھر اپنے بچوں سے ملی جو اب پچاس اور پینتیس سال کے ہیں۔ اور اپنے چار پوتے پوتیوں سے بھی اس کی پہلی بار ملاقات ہوئی۔

ایک ہفتے بعد ڈاکٹروں نے ہیلن کو اسپتال سے فارغ کر دیا اور اب یہ چھریرے بدن کی سابقہ

مرحلہ پھر اپنے گھر میں خاندان والوں کے ہاں آ گئی ہے۔ ہیلن کہتی ہے "مجھے نئی زندگی سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑے گا" وہ اگلا سال اپنے گھر والوں سے دوبارہ آشنا اور مانوس ہونے میں صرف کرنا چاہتی ہے۔ "بیماری میں کٹ جانے والے پینتیس برس میں دنیا جن حالات و واقعات سے گزری ہے' مجھے ان کا علم حاصل کرنا ہے۔ بعض اوقات یہ سوچ کہ بہت غمگین ہو جاتی ہوں کہ میں اپنے بچوں کو نشوونما پاتے ہوئے نہ دیکھ سکی۔ میرے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میری ابھی بہت زندگی باقی ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ مستقبل میں کھوئے ہوئے ماہ و سال کی تلافی کر سکوں گی"

مندرجہ بالا انگریزی خبر کا اردو ترجمہ گیارہ مئی 96ء کے روزنامہ جنگ کے شمارے میں مختصراً شائع ہوا جسے شاید بہت کم لوگوں نے پڑھا ہو گا کیونکہ خبر ایک ایسے صفحے پر چھپی تھی جس کا بیشتر حصہ ضمیمے کے طور پر صرف ہوا تھا۔ مجھے اداریے والے صفحے کی تلاش تھی اور یہ صفحہ اس صفحے کی پشت پر تھا۔

ممکن ہے کہ کچھ لوگوں نے اس خبر کو پڑھا ہو لیکن شاید ہی کوئی ہو گا جس کا ذہن اس خبر سے اصحاب کہف کی طرف منتقل ہوا ہو۔

میں نے چند روز قبل مولانا مودودیؒ کی تفسیر میں اس قصے کی تفصیل غالباً دوبارہ یا سہ بارہ پڑھی تھی اور اس کا موازنہ و مقابلہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تفسیر سے کر تا رہا تھا۔ مولانا آزادؒ کی تفسیر اس قصے کی حد تک میں نے پہلے بھی پڑھی ہوئی تھی۔ چنانچہ میرے ذہن کا دریچہ اچانک وا ہو گیا۔ مجھے ہیلن کے پینتیس سالہ کومے اور اصحابہ کہف کی صدیوں کی نیند میں اتنی مماثلت نظر آئی بلکہ محسوس ہوئی کہ میرے کانوں میں ایک آواز گونج اٹھی۔

"(اے پیغمبرا کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور کتے والے ہماری نشانیوں میں سے کوئی عجیب نشانی تھے؟ جب ایسا ہوا کہ چند نوجوان غار میں جا بیٹھے تھے اور انہوں نے دعا کی تھی پروردگار تیرے حضور سے ہم پر رحمت ہو اور تو ہمارے اس کام کے لئے کامیابی کا سامان مہیا کر دے۔ پس غار میں کئی برس تک ان کے کان دنیا کی طرف سے بند رکھے۔ پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا تا کہ واضح ہو جائے' دونوں جماعتوں میں سے کوئی ہے' جو گزری ہوئی مدت کا زیادہ بہتر طریقے سے احاطہ کر سکتا ہے" (الکہف 8 تا 12)

اگر امریکی جریدے میں شائع کی گئی خبر سچ ہے تو اس سے "اصحاب کہف" کی قصے کی پوری پو
تصدیق ہوتی ہے۔ ایک لمبی نیند کی بھی اور اس سے اچانک بیدار ہونے کی بھی------ جس ط
پینتیس سال ہیلن کی زندگی سے خارج ہو گئے اسی طرح صدیاں اصحاب کہف کی زندگی سے منہ
گئی تھیں۔ ہیلن پر جب لمبی نیند طاری ہوئی تھی وہ 32 سال کی تھی اور جب جاگی تب بھی 32
کی تھی اور اصحاب کہف جب سوئے تھے تو جوان تھے اور جب جاگے تب بھی جوان تھے۔

ہیلن شاید آنے والی زندگی سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کر لے' اپنے سے زیادہ عمر کے بیٹے
بیٹی سے بھی جذباتی مفاہمت کر لے اور اپنے ستر سالہ خاوند کو بھی قبول کر لے لیکن "اصحاب کہف
کا بدلے ہوئے زمانے سے مطابقت اختیار کرنا ان کے لئے شاید ناممکن تھا یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ
اپنی زندگی کا مقصد پورا کر چکے تھے' اس لیے ان پر پھر نیند طاری کر دی گئی اور اب اس نیند سے
صور اسرافیل سن کر ہی جاگیں گے۔

مضمون یہاں ختم ہو سکتا تھا لیکن قلم نے سرتابی کی اور وہ اپنے آپ آگے بڑھ گیا۔ اشہب
کبھی کبھار منہ زوری دکھاتا ہے۔ اصل میں اس قصے اور خبر دونوں میں موازنہ و مقابلہ کے کچھ ا
نادر و نایاب نکات دکھائی دے گئے تھے کہ ان سے صرف نظر گوارا نہ ہوا۔

ڈاکٹر حیران ہیں کہ ہیلن بے ہوشی سے اچانک کیسے نکلی اور اس کی عمر ایک نقطے پر کیسے ٹھہ
حالانکہ زمان و مکاں کی گردش جاری رہی؟ ممکن ہے کہ ڈاکٹروں کو کبھی اس مسئلے کا حل مل جا
میرا ناقص خیال ہے کہ جس نرسنگ ہوم میں وہ رہی' اس کی فضا اور آب و ہوا کو اس طرح کنٹر
کیا گیا کہ ان کا کم سے کم اثر اس کے جسم پر پڑے اور جسم شکست و ریخت سے محفوظ رہے۔ ا
جو غذا دی جاتی رہی ہو گی' وہ نہایت لطیف و منزہ ہو گی کہ معدے پر بوجھ نہ ڈالے اور بدن کو
ہونے سے بچائے۔ امریکہ کے اسپتالوں اور نرسنگ ہوموں کا وہ حال نہیں جو پاکستان کے اسپت
اور نرسنگ ہوموں کا ہے کہ یہاں ایک دن کا بچہ پینتیس سال کے بعد ایک سو پینتیس سال کا بو
بن سکتا ہے۔

قوی بات ہے کہ اس نرسنگ روم میں "شانگری لا" والی فضاء قائم کر دی گئی ہو کہ جہاں ع
رفتار اتنی دھیمی ہو جاتی ہے کہ ایک مانچو شہزادی ساٹھ سال کی عمر میں بھی انیس بیس سال ۔۔۔

ہوتی چلی جاتی ہے۔

سورہ کہف سے مجھے دو نکتے اور ملے ہیں جن کی "ندرت" تقاضا کرتی ہے کہ انہیں ضروری بیان کیا جائے۔

1۔ اور تم انہیں دیکھو تو یہ خیال کرو یہ جاگ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔ ہم انہیں دائیں بائیں پلٹتے رہتے ہیں"۔ (یعنی ان کی کروٹ بدلتی رہتی ہے)(الکہف آیت نمبر18۔ ترجمان القرآن صفحہ 410)

مولانا سید مودودیؒ اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

"اور تم انہیں دیکھ کر یہ کہتے کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ ہم انہیں دائیں بائیں کروٹ دلواتے رہتے ہیں....." (تفہیم القرآن صفحہ 15)

سبھی مفسرین (جنہیں میں نے پڑھا ہے) دائیں بائیں کروٹ بدلنے کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ وہ باہر سے دیکھنے والوں کو بیدار نظر آئیں لیکن مولانا آزادؒ اس سے اختلاف کرتے ہیں "لیکن یہ توجیہہ بے معنی ہے۔ اول تو کروٹ بدلنا بیداری کی دلیل نہیں۔ آدمی گہری سے گہری نیند میں ہوتا ہے اور کروٹ بدلتا ہے۔ ثانیاً اگر کروٹ بدلتے ہوں گے تو کچھ وقفے کے بعد بدلتے ہوں گے...." (ترجمان القرآن۔ صفحہ 427)

لیکن صفحہ 430 پر وہ کروٹ بدلنے کی جو تفسیر لکھتے ہیں وہ عجیب و غریب نوعیت کی ہے اور منطق پر پوری نہیں اترتی۔ فرماتے ہیں "غار شمال و جنوب رویہ واقع تھا اور ان دونوں جہتوں میں ہوا اور روشنی کے منافذ تھے جیسا کہ آیت 'وتری الشمس اذا طلعت' سے متبادر ہوتا ہے۔ پس بالمقابل منافذ ہونے کی وجہ سے ہوا برابر اندر چلتی رہتی تھی اور ان کے ڈھانچے دہنی سے بائیں اور بائیں سے دہنی جانب اس طرح متحرک رہتے تھے جیسے ایک زندہ آدمی ایک طرف سے پلٹ کر دوسری طرف دیکھے۔"

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں مولانا کے نزدیک یہ حالت اصحاب کہف کے دوسرے دور کی ہے جب وہ راہبانہ زندگی اختیار کر کے غار میں معتکف ہو گئے حتیٰ کہ وفات پا گئے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ ہوا کے جھونکوں سے اصحاب کہف کے ڈھانچے متحرک رہتے ہوں؟ یقیناً"

کی نہیں لگتی۔ (دیکھئے جیمز ہلٹن کا ناول لاسٹ ہورائزن (LostHorizon)

"اصحاب کہف" کو بھی خدا نے ایک ایسا ہی غار مہیا کیا تھا کہ جس کی فضا خوشگوار اور آلائش سے پاک تھی۔ گرم نہ سرد۔ اتنی معتدل کی جسم ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہوں۔

سورہ الکہف کی آیت نمبر سترہ کے ایک حصے کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اور وہ جس غار میں جا کر بیٹھے وہ اس طرح واقع ہوا ہے کہ جب سورج نکلے تو تم دیکھو اس کی دہنی جانب سے ہٹا ہوا ہوتا ہے اور جب ڈوبے تو بائیں جانب کترا کر نکل جاتا ہے (یعنی کسی حال میں بھی اس کی شعاعیں اندر نہیں پہنچتیں) اور وہ اس کے اندر ایک کشادہ جگہ میں پڑے ہیں' یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے....."

(ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزادؒ۔ صفحہ 409) مولانا آزادؒ اپنے مفصل تشریحی نوٹ میں فرماتے ہیں۔ "جس غار میں انہوں نے پناہ لی' وہ اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ اگرچہ اندر سے کشادہ ہے اور دہانہ کھلا ہوا ہے لیکن سورج کی کرنیں اس میں راہ نہیں پا سکتیں' نہ چڑھتے دن میں نہ ڈھلتے دن میں۔ جب سورج نکلتا ہے تو دہنی جانب رہتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ جب ڈھلتا ہے تو بائیں جانب رہتے ہوئے غروب ہو جاتا ہے یعنی غار اپنے طول میں روبہ شمال و جنوب واقع ہے۔ ایک طرف دہانہ ہے. دوسری طرف منفذ۔ روشنی اور ہوا دونوں طرف سے آتی ہے لیکن دھوپ کسی طرف سے بھی راہ نہیں پا سکتی"

"منفذ" کے معنی ہیں گزرنے کی جگہ یعنی روزن گویا اس غار میں قدرت نے کراس وینٹی لیشن (Cross Ventilation) کا انتظام کیا ہوا تھا۔ مولانا آزادؒ کے نزدیک زندہ رہنے کے لئے وہ نہایت محفوظ موزوں مقام تھا کیونکہ ہوا اور روشنی کی راہ موجود ہے مگر دھوپ کی تپش اندر نہیں آ سکتی۔ پھر اندر سے کشادہ ہے' جگہ کی کمی نہیں۔

یہ معجزہ ایک ایسے ملک میں رونما ہوا جہاں گرمی اور تپش انسان کو جلد بوڑھا کر دیتی ہے۔ یہ معجزہ اگر کسی سرد یا برفانی ملک میں رونما ہوتا تو شاید اس غار میں قدرت روشنی کے ساتھ حدت کو بھی داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرماتی تاکہ اعتدال کی موزوں فضاء قائم ہو سکے۔ قدرت نے اس غار کو ہوا بند بھی نہیں کیا یعنی ایئر کنڈیشنڈ رکھا کیونکہ ہوا بندی کی فضا میں آکسیجن کم سے کم

وہ کھونٹوں سے ٹنگے ہوئے تو نہیں تھے اور نہ رسوں سے جھول رہے تھے (نعوذ باللہ) وہ غار کے فرش پر لیٹے ہوں گے یا رکوع و سجود کی حالت میں ہوں گے۔

مولانا مودودیؒ آیت کے اس حصے کو اصحاب کہف کی پہلی حالت سے مربوط جانتے ہیں۔ تفہیم القرآن جلد سوم کے صفحہ 15 پر نوٹ نمبر 14 میں لکھا ہے۔

"یعنی اگر کوئی باہر سے جھانک کر دیکھتا بھی تو ان سات آدمیوں کے وقتاً فوقتاً کروٹیں لیتے رہنے کی وجہ سے وہ یہی گمان کرتا کہ یہ بس یونہی لیٹے ہوئے ہیں، سوئے ہوئے نہیں"۔

مجھ جیسے بے علم شخص کو کہ جسے چوہتر سال کی عمر میں بھی عربی نہیں آتی اور جس نے قرآن صرف ترجمے کی حد تک پڑھا ہے، کوئی حق حاصل نہیں کہ ان عظیم مفسرین سے ایک قدم آگے بڑھنے کی جسارت کروں لیکن ہیلن کی پینتیس سالہ نیند کا اصحاب کہف کی صدیوں کی نیند سے مقابلہ موازنہ کرتے ہوئے مجھے نظر آتا ہے کہ قدرت نے جس غار کو ان کے لئے نرسنگ ہوم قرار دیا تھا اور جس میں ایسے حالات پیدا کیے تھے کہ ان کے اجسام شکست و ریخت سے محفوظ رہیں، وہاں اس نے چند کارکنان قضا و قدر کو اس کام پر بھی مامور کر دیا ہو گا کہ ان کی کروٹ بدلتے رہیں تاکہ یہ مقدس اجسام بستر کی اکڑ سے محفوظ رہیں، خون کی گردش بھی جاری رہے اور دل و جگر کا فعل بھی برقرار رہے۔

2۔ دوسرا نادر نکتہ مجھے سورہ الکہف دسویں آیت "فضربنا علی آذانھم فی الکھف سنین عددا" میں نظر آیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

"پس غار میں کئی برسوں تک ہم نے ان کے کان (دنیا کی طرف سے) بند کر رکھے" (ترجمان القرآن۔ صفحہ 408)

مولانا سید مودودیؒ کا ترجمہ درج ذیل ہے

"ہم نے انہیں اسی غار میں تھپک کر سالہا سال کے لئے گہری نیند سلا دیا" (تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ 13)

مولانا مودودیؒ کا ترجمہ بامحاورہ ہے لیکن مولانا آزاد کا ترجمہ میرے ناقص خیال میں متن سے قریب تر ہے۔ گہری نیند کے لئے ضروری ہے کہ کان دنیا کی طرف سے بند ہوں۔ جب تک شور و

غل کان میں آ تا رہے گہری نیند کیسے آسکتی ہے؟

مولانا آزادؒ اپنے تشریحی نوٹ میں لکھتے ہیں "ان کے کان دنیا کی طرف سے بند ہو گئے... دنیا کی کوئی صدا ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی تھی....." (ترجمان القرآن صفحہ 427)

آج کل ماحول کی آلودگی نے انسان کو بہت پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ جدید تحقیق کے... ماحول کی آلودگی میں شور و غل کو بہت دخل ہے۔ شور و غل سے نہ صرف اعصاب متاثر ہو... بلکہ جسم و ذہن ٹوٹ پھوٹ کا شکار بھی ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا زہر ہے جو کانوں کے راستے داخ... کر جسم کو گھلاتا رہتا ہے۔

جو لوگ شہر کی کسی بڑی سڑک کے کنارے مکان یا فلیٹ میں رہتے ہیں یا جنہیں ٹریفک کے... میں مسلسل کئی کئی گھنٹے بسر کرنا ہوتے ہیں' یہ شور ان کے رگ و ریشے میں رچ بس کر ان... معمول کا حصہ بن جاتا ہے لیکن دن رات کے کسی حصے میں یہ شور اچانک تھمتا ہے تو ایسا مح... ہوتا ہے جیسے ایک بوجھ "آنا" فانا" ان کے جسم سے اتر گیا ہو اور وہ ہلکے پھلکے ہو گئے ہوں۔ جب... ملتان روڈ سے متصل اور متوازی پونچھ ہاؤس کالونی کے ایک کوارٹر میں رہا کرتا تھا تو اکثر اس کی... سے گزرتا تھا۔

ایک بار اسلام آباد میں فیصل مسجد کے بالمقابل ایک سڑک کے کنارے بیٹھے بیٹھے یوں لگا... میں ہلکا پھلکا ہو کر آسمان کی طرف اڑنے لگا ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سڑک پر ٹریفک... تھی اور مجھ سے کچھ دور جو بسیں اور ویگنیں چل رہی تھیں' ان کی رفتار سے شور ختم ہو چکا... اس لئے میرا ناقص خیال یہ ہے کہ ان کے اجسام کو صدیوں تک تر و تازہ رکھنے کے لئے ضرور... کہ ان کے نرسنگ ہوم کو صدا بند (SoundProof) بنادیا جائے کہ طوطی و بلبل کی نغمہ سرائی... ان کی نیند میں خلل انداز نہ ہو۔

ہیلن کے نرسنگ ہوم میں بھی یقیناً" صدا بندی کا انتظام ہو گا۔ ہیلن والی خبر اور اصحاب... کے واقعے میں مماثلت کے جو نکات مجھے نظر آئے وہ میں نے بیان کردیے ہیں۔

ہیلن والی خبر وضعی بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ اخباری رپورٹر سنسنی پیدا کرنے کے لئے اختر... ایجاد سے بھی گریز نہیں کرتے اور لوگ بھی اخبار میں چھپنے کے لئے عجیب عجیب قصے گھڑ لیتے...

لیکن اس سے اصحاب کہف والے معجزے کی حقانیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جہاں تک معجزات پر ایمان کا تعلق ہے میرا عقیدہ ہے کہ انہیں منطق کی کسوٹی پر پرکھنا ایک قسم کی ایمانی کمزوری ہے۔ معجزہ علت و معلوم کی قید سے آزاد ایک لاثانی مظہر ہوتا ہے۔ اسے استثنائی صورت بھی کہہ سکتے ہیں اور استثنا قانون کو ثابت کرتا ہے یعنی فطرت کبھی کبھار کسی خاص مقصد کے لئے اپنے قانون کو معطل کر دیتی ہے۔

مجھے قرآن پاک کی تلاوت کا لڑکپن سے شوق ہے۔ شروع شروع میں نہ ترجمے کا ذوق تھا نہ تفسیر میں کوئی دلچسپی۔ جوانی میں کچھ ترقی پسندی ذہن پر حاوی ہو گئی اور صبح کی نماز اور تلاوت میں ناغے ہونے لگے۔ یہ تذبذب اور بے یقینی کا زمانہ تھا۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی نامکمل تفسیر کے کچھ اقتباسات کتابی صورت میں شائع ہوئے، تو ایک کتاب میرے ہاتھ بھی لگ گئی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی۔ اس میں غالباً اصحاب کہف، موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے تین قرآنی قصوں کی تشریح کو مسلسل اور مربوط کر دیا گیا تھا۔ انہیں پڑھ کر بہت لطف آیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ میں کتاب میں گم ہو گیا اور کتاب مجھ میں جذب ہو گئی۔ اس میں غالب دخل مولانا ابوالکلام آزادؒ کے سحر طراز طرز تحریر کو تھا۔ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کی داستان کو جس انداز میں مولانا نے دیکھا اور پرکھا ہے، اس کا جواب نہیں۔ البتہ اصحاب کہف اور موسیٰ و خضر علیہ السلام کے قصوں میں، ابہام کی جو فضا ہے اسے مولانا کی تعقل پسندی واضح نہیں کر سکی۔

آج ان کی پوری تفسیر میرے زیر مطالعہ ہے اور اس مضمون میں، میں نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے لیکن محسوس یہی ہوا ہے کہ مولانا نے سیدھے سادے قصے کو الجھا دیا ہے۔ البتہ مولانا مودودیؒ نے قصے کو سلجھانے کی سعی کی ہے اور اس میں کامیاب رہے ہیں۔ تفہیم القرآن جلد سوم کے صفحات 769 تا 771 کے ضمیمہ نمبر1 کے مطالعے سے ہر پڑھنے والے کو مستفیض کرنے کے لئے میں اسے یہاں نقل کرتا ہوں۔

"شہر افسوس (Ephesus) جس میں اصحاب کہف کا واقعہ پیش آیا، تقریباً گیارہویں صدی قبل مسیح میں موجودہ ترکی میں تعمیر ہوا تھا اور بعد میں یہ بت پرستی کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ یہاں چاند دیوی

کی پوجا ہوتی تھی جسے ڈائنا کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس کا عظیم الشان مندر عہد قدی
عجائبات عالم میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایشیائے کوچک کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے اور
سلطنت نے بھی اس کو اپنے معبودوں میں شامل کر لیا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب مسیحی دعوت رومی سلطنت کے مختلف علاقوں میں
شروع ہوئی تو اس شہر کے چند لوگ بھی شرک سے تائب ہو کر خدائے واحد پر ایمان لے آئے
کے قصے کی جو تفصیلات مسیحی روایات کو جمع کر کے گریگوری آف ٹورس (egory of Tours
نے اپنی کتاب MeraculoromLiber میں بیان کی ہیں' ان کا خلاصہ یہ ہے۔

یہ سات نوجوان تھے۔ ان کی تبدیلی مذہب کا حال سن کر قیصر ڈیسی آس (Decius۔ وقیا
نے ان کو اپنے سامنے طلب کیا اور ان سے پوچھا "تمہارا مذہب کیا ہے؟"

انہیں معلوم تھا کہ قیصر پیروان مسیح علیہ السلام کے خون کا پیاسا ہے مگر انہوں نے کسی خوف
بغیر صاف صاف کہہ دیا "ہمارا رب وہ ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے۔ اس کے سوا ہم کسی
معبود کو نہیں پکارتے۔ اگر ہم ایسا کریں تو بہت بڑا گناہ کریں گے"

قیصر نے پہلے تو سخت مشتعل ہو کر کہا "اپنی زبان بند کرو ورنہ میں تمہیں ابھی قتل کروا دوں
پھر کچھ ٹھنڈا ہوا اور بولا "تم ابھی بچے ہو میں تمہیں تین دن دیتا ہوں اس مدت میں اگر تم نے
رویہ بدل لیا اور اپنی قوم کے مذہب کی طرف پلٹ آئے تو خیر ورنہ تمہاری گردن مار دی جائے گی

اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر یہ ساتوں نوجوان شہر سے نکلے اور انہوں نے پہاڑوں کی راہ لی
کسی غار میں چھپیں۔ راستے میں ایک کتا ان کے ساتھ لگ گیا۔ انہوں نے بہتیری کوشش کی کہ
ان کا پیچھا چھوڑ دے مگر وہ کسی طرح ان سے الگ نہ ہوا۔ آخر کار ایک بڑے گہرے غار کو
جائے پناہ دیکھ کر وہ اس میں چھپ گئے اور کتا اس کے دہانے پر بیٹھ گیا۔ تھکے ماندے تھے' اس
فوراً" ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ یہ 250 عیسوی کا واقعہ ہے۔ 197 برس بعد 447 عیسوی
وہ یکایک بیدار ہوئے جب قیصر تھوڈوسی آس دوم کا عہد حکومت تھا۔ رومی سلطنت مسیحیت اختیار
کر چکی تھی اور شہر افسوس کے باشندے بھی بت پرستی ترک کر چکے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رومی باشندوں کے درمیان زندگی بعد موت اور حشر و نشر کے معاملے

خت اختلاف برپا تھا اور قیصر اس بات پر بہت فکر مند تھا کہ لوگوں کے دلوں سے انکار آخرت کا خیال کیسے نکالا جائے؟ ایک دن اس نے خدا سے دعا کی کہ وہ کوئی ایسی نشانی دکھا دے جس سے لوگ آخرت پر ایمان لے آئیں۔ ٹھیک اسی زمانہ میں یہ نوجوان جاگ اٹھے۔

بیدار ہو کر انہوں نے آپس میں پوچھا "ہم کتنی دیر سوئے ہوں گے" کسی نے کہا دن بھر' کسی نے کہا دن کا کچھ حصہ' پھر یہ کہہ کر سب خاموش ہو گئے کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی جین (Jean) کو چاندی کے چند سکے دے کر کھانا لانے کے لئے شہر بھیجا اور اس سے کہا "ذرا احتیاط سے کام لینا' کہیں لوگ تمہیں پہچان نہ لیں" انہیں ڈر تھا کہ لوگوں کو ہمارا پتہ چل گیا تو وہ ہمیں پکڑ لے جائیں گے اور ڈائنا کی پرستش پر مجبور کریں گے۔

مگر جین جب شہر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دنیا بدلی ہوئی ہے' سب لوگ مسیحی ہو گئے ہیں ور ڈائنا کو پوجنے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ ایک دکان پر پہنچ کر اس نے کچھ روٹیاں خریدیں اور دوکاندار کو چاندی کا ایک سکہ دیا جس پر قیصر ڈیسی آس کی تصویر تھی۔ دوکاندار یہ سکہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اس نے پوچھا "یہ تمہیں کہاں سے ملا؟"

جین نے کہا' یہ میرا اپنا مال ہے' کہیں سے اڑا کر نہیں لایا"۔ اس پر دونوں میں تکرار ہونے لگی۔ لوگ جمع ہو گئے حتی کہ کوتوال شہر تک معاملہ پہنچا۔ کوتوال نے کہا "مجھے وہ دفینہ بتاؤ جہاں سے تم یہ سکہ لائے ہو"

جین نے جوب دیا دفینہ کیسا؟ یہ میرا اپنا مال ہے' میں کسی دفینے کو نہیں جانتا"

کوتوال نے کہا "تمہاری یہ بات ماننے کے قابل نہیں۔ یہ صدیوں پرانا سکہ ہے' تم تو ابھی جوان لڑکے ہو۔ ہمارے بڑے بوڑھوں نے بھی کبھی یہ سکہ نہیں دیکھا۔ یہ ضرور کوئی راز ہے"

جین نے جب یہ سنا کہ قیصر ڈیسی آس کو مرے زمانہ دراز گزر چکا ہے تو دنگ رہ گیا اور کچھ دیر تک بالکل دم بخود رہا پھر آہستہ سے بولا "کل ہی تو میں اور میرے چھ ساتھی اس شہر سے بھاگ کر گئے تھے اور ہم نے ایک غار میں پناہ لی تھی تاکہ ڈیسی آس کے ظلم سے بچے رہیں"

جین کی یہ بات سن کر کوتوال بھی حیران ہو گیا اور وہ اس کو لے کر اس غار کی طرف چلا جہاں اس کے بیان کے مطابق یہ لوگ چھپے ہوئے تھے۔ لوگوں کا ایک انبوہ کثیر ان کے ساتھ تھا۔ وہاں پہنچ کر یہ

امر پوری طرح تحقیق ہو گیا کہ یہ واقعی قیصر ڈیسی آس کے زمانے کے لوگ ہیں۔

قیصر تھوڈیسی آس کو اس کی اطلاع دی گئی وہ خود آ کر ان سے ملا اور برکت لی۔ اس کے بع
ساتوں غار میں جا کر لیٹے اور وفات پا گئے۔

اس صریح نشانی کو دیکھ کر لوگ مان گئے کہ واقعی زندگی بعد موت برحق ہے پھر قیصر کے حکم
اس غار پر ایک زیارت گاہ تعمیر کر دی گئی۔

مولانا آزادؒ اس واقعے کو ایک قدیم یونانی شہر بطرا (Petra) سے منسوب کرتے ہیں لیکن م
سید مودودیؒ نے مندرجہ بالا مسیحی روایت کی بنا پر اسے شہر افسوس سے وابستہ جانا ہے۔ دونوں
بات پر متفق ہیں کہ ان کے غار پر زیارت گاہ تعمیر کی گئی تھی۔

مولانا آزادؒ لکھتے ہیں "ازاں جملہ اس علاقے (بطرا) میں عجیب و غریب غار ہیں جو دور دور
چلے گئے ہیں اور نہایت وسیع ہیں۔ نیز اپنی نوعیت میں ایسے واقع ہوئے ہیں کہ دن کی روشنی
طرح بھی ان کے اندر نہیں پہنچ سکتی۔ ایک غار ایسا بھی ہے جس کے دہانے پر قدیم عمارتوں کے
پائے جاتے ہیں اور بے شمار ستونوں کی کرسیاں شناخت کی گئی ہیں۔ خیال کیا گیا ہے کہ یہ کوئی
ہو گا جو یہاں تعمیر کیا گیا تھا" (ترجمان القرآن۔ صفحہ 425)

مولانا مودودیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"اس موقع پر یہ ذکر کر دینا بھی خالی از فائدہ نہیں کہ 1834ء میں ریورنڈ ئی انڈیل (undell
نے ایشائے کوچک کے اکتشافات (Discoveries in Asia Minor) کے نام سے اپنے جو مشاہد
شائع کئے تھے، ان میں وہ بتاتا ہے کہ قدیم افسوس کے کھنڈرت سے متصل ایک پہاڑی پر اس
حضرت مریم اور سات لڑکوں یعنی اصحاب کہف کے مقبروں کے آثار پائے ہیں" (تفہیم القرآن،
سوم صفحہ 19)

کیا آج کا کوئی مسلمان محقق بطرا اور شہر افسوس کے کھنڈروں کا مطالعہ و معائنہ کر کے یہ ف
نہیں کر سکتا کہ یہ واقعہ کس شہر میں پیش آیا؟ اگر ایسی تحقیق ہو چکی ہے تو اسے مشتہر کرنا لازمی
اہل علم کو اس طرف ضرور توجہ دینی چاہئے۔ اس سے قرآن کریم کا ایک اہم باب سمجھنے میں
زیادہ مدلل مدد ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کا دستر خوان

(میجر ڈاکٹر محمد اشفاق راجہ)

عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال ان ھذا القرآن مادبۃ اللہ فاقبلوا مادبتہ ماستطعتم ان ھذا القرآن حبل اللہ والنور المبین والشفاء الناصع عصمۃ لمن تمسک بہ و نجاۃ لمن المن تبعہ لا یزیغ فیستعتب ولا یعوج فیقوم ولا تنقضی عجائبہ ولا یخلق من کثرۃ الرد

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں

"یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا بچھایا ہوا دستر خوان ہے' تو جب تک تمہارے اندر طاقت ہے خدا کے اس دستر خوان پر آؤ۔ بلاشبہ یہ قرآن اللہ کی رسی ہے اور تاریکیوں کو چھانٹنے والی روشنی ہے فائدہ دینے والی اور شفا بخشنے والی دوا ہے اور جو لوگ اس کو مضبوطی سے تھامے رہیں گے ان کے لئے یہ محافظ ہے اور پیروی کرنے والوں کے لئے نجات کا ذریعہ ہے یہ کتاب بے رخی نہیں کرتی کہ اس کو منانے کی ضرورت پڑے' اس کتاب میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے جسے سیدھا کرنے کی ضرورت پیش آئے' اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے اور بکثرت پڑھنے سے یہ پرانی نہیں ہوتی"

تشریح

قرآن کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اللہ کا دستر خوان کہہ کر بڑی اہم بات کہی ہے جس طرح غذا کے بغیر انسان کا مادی وجود برقرار نہیں رہ سکتا اور اس کی برقراری کے لئے اللہ نے غذائی سامان فراہم کیا ہے اسی طرح اس نے انسان کی روحانی ترقی کیلئے روحانی غذا کا سامان اپنے ذکر یعنی قرآن کے ذریعے کیا ہے جو اس غذا سے استفادہ کریں گے اتنی ہی زیادہ ان کی روحانیت ترقی کرے گی۔ یہ قرآن اللہ کی رسی ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح رسی کنویں سے پانی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اسی طرح اگر کوئی خدا تک پہنچنا چاہئے تو اس رسی اور ذریعہ کا استعمال اس کے لئے ناگزیر ہے۔

قرآن کو "روشنی" کہا گیا ہے اور روشنی وہ چیز ہوتی ہے جو تاریکی کو چھانٹ دیتی ہے۔ اسی طرح یہ کتاب بھی زندگی کی تاریکیوں کو چھانٹتی ہے اور خدا تک پہنچنے والے راستے کی رکاوٹوں کو دور کرتی ہے۔ یہ دنیا تاریکیوں کی دنیا ہے اس میں قدم قدم پر تاریکیاں پائی جاتی ہیں۔ جو شخص یہ روشنی اپنے ساتھ نہیں رکھے گا وہ کسی کھڈ میں گر کر تباہی کی نذر ہو جائے گا۔

یہ کتاب انسان کی روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہے اور اس کے اسرار اور عجیب عجیب معانی کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ ایسا لباس بھی نہیں جو کثرت استعمال سے پرانا ہو تا ہو بلکہ اس کو جتنا استعمال کیجئے اتنا ہی اس کا نیا پن نکھرتا ہے۔

ترک مسلمانوں سے خطاب اقبال

(عبدالرشید سا

شعر نمبر1

یہ حوریان فرنگی ، دل و نظر کا حجاب
بہشت مغربیاں جلوہ ہائے پا برکاب

یہ غزل علامہ اقبال نے قیام اندلس (قرطبہ) کے دوران لکھی تھی چونکہ اس شہر میں عربوں
عظمت کے نقوش ابھی تک موجود ہیں اس لئے قدرتی بات ہے کہ بحثیت مسلمان بہت متاثر ہو
اس غزل میں علامہ اقبال کا ہر شعر زبردست قوت مشاہدہ اور تفکر کا حامل ہے علامہ فرماتے ہیں ا
ملک کی عورتوں کا حسن ظاہری اپنے اندر اس درجہ کشش رکھتا ہے کہ اگر انسان عقل سے کام
لے تو زندگی کے اعلیٰ روحانی مقاصد سے غافل ہو جائے گا یہ حسن و جمال لاکھ دلفریب سہی لیکن ا
کو ثبات نہیں ہے میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔

ناں مورت نیں جگ پر رہنا ناں اس صورت والے
کہ یارانہ اس دا جیہڑا سدا پریت ناں پالے

پس عقلمند آدمی اس فانی لذت کے لئے راحت عقبیٰ کو قربان نہیں کر سکتا۔

شعر نمبر2

دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا
مہ و ستارہ ہیں بحر وجود میں گرداب

علامہ اقبال فرماتے ہیں مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ دنیا کی عارضی لذتوں میں نہ کھو جا
کیونکہ یہ حسن ظاہری زندگی کے سمندر میں بمنزلہ گرداب ہے ہر عقلمند کا فرض ہے کہ وہ اپنے د
و نظر یعنی (دین و ایمان) کے سفینہ کو اس بھنور سے بچا کر لے جائے جو بھی برائی دل میں داخل ہو
ہے وہ آنکھ کے رستہ آتی ہے اسی لئے اسلام نے نگاہیں نیچے رکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے جس انسا
کی آنکھ میں حیاء ہوتی ہے وہ اکثر برائیوں سے بچا رہتا ہے اس دور میں حیا کا عنصر ختم ہو چکا ہے ا

لئے تو معاشرہ گناہوں اور برائیوں کا گڑھ بن چکا ہے نہ ہی مرد میں حیاء ہے نہ ہی عورت میں حیا ہے اور اس میں زیادہ لڑکی کی بے حیائی اور بے پردگی کا قصور ہے اگر آج ہم اسلام کے قوانین کے مطابق اسلامی پردہ کی پابندی شروع کر دیں تو بہت ساری برائیاں فقط اسی اصول پر عمل پیرا ہونے سے ختم ہو سکتی ہیں آنکھ سے حیا اٹھ جائے تو معاشرے سے انسانیت کا جنازہ اٹھ جاتا ہے خدا کرے مسلمان قوم کی آنکھ میں پھر سے حیاء سما جائے تاکہ اس کو کھویا ہوا بلند مقام پھر سے حاصل ہو جائے۔

شعر نمبر۹

سکھا دیے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقہی
فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب

علامہ اقبال فرماتے ہیں زمانہ اول کے فقہا اور علماء کے اندر کتابی علم کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا ولولہ بھی موجود تھا امام ابن تیمیہ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ میدان جنگ میں اپنی ذاتی شجاعت کے جوہر بھی دکھائے شاہ اسماعیل، سید احمد شہید کی تاریخ بھی شجاعت کے کارناموں سے مزین ہے لیکن رفتہ رفتہ نام نہاد صوفیوں کی صحبت کی بدولت ہمارے ان دینی پیشواؤں میں بھی گوشہ نشینی اور ترک جہاد کا رنگ پیدا ہو گیا جب علامہ اقبال نے اس تلخ حقیقت پر غور کیا کہ ہسپانیہ میں مسلمانوں نے سات سو سال تک حکومت کی اس کے باوجود آج سارے ملک میں کوئی مسلمان کا وجود نہیں تو انہوں نے مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر غور کیا اور یہ حقیقت ان کے سامنے آئی کہ مسلمان صوفیوں کا سب سے پہلے عقیدہ توحید کمزور ہوا اور وحدانیت کا غیر اسلامی رنگ غالب ہوا جس کی وجہ سے مسلمان عمل، کوشش اور جہاد جیسی صفات سے بیگانہ ہو گیا اس قسم کے صوفیوں نے علماء اور فقہا کو بھی متاثر کیا اور وہ بھی صوفیوں کی طرح توحید کے حقیقی مفہوم سے بے خبر ہو گئے توحید ہی دنیا میں طاقت اور توانائی کا منبع ہے جب قوم توحید سے منہ موڑ گئی تو جہاد کا جذبہ بالکل ختم ہو گیا اور چونکہ فطرت کا یہ ازل سے یہ فتویٰ ہے کہ جو قوم جہاد سے بیگانہ ہو جاتی ہے یا تو مٹ جاتی ہے یا غلام ہو جاتی ہے اسی لئے غرناطہ والے بھی مٹ گئے۔

خودی ہے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

شعر نمبر4

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

علامہ اقبال فرماتے ہیں کبھی مسلمان اتنی بے نیازی اور یقین محکم سے سجدہ کرتے تھے کہ ز
کانپ جایا کرتی تھی اس سجدہ کو آج مساجد ترس رہی ہیں کیونکہ آج سجدے حقیقی روح اور ا
سے خالی ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ آج لاہور سے لے کر مراکش تک ساری مساجد ان سجدوں کو تر
رہی ہیں جن سے کائنات میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا وجہ یہ ہے کہ اب سجدہ کرنے خواہ پاکستان میں ہو
تہران یا سعودیہ میں ہوں خود دوسروں سے کانپ رہے ہیں کوئی انگریزوں کی غلامی میں جانے کے
لئے تڑپ رہا ہے کوئی روسیوں سے پیمان وفا باندھ رہا ہے اور کوئی ڈالر کے سامنے سر تسلیم خم کر
ہے افغانستان میں جو ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے روئے زمین پر 56 اسلامی ممالک کے ہو
ہوئے بھی جو حشر افغانستان میں مسلمانوں کا ہو رہا ہے کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں مسلمانوں کی
غیرت سو چکی ہے ضمیر مر چکے ہیں بے حسی کی انتہا ہو چکی ہے۔

آپ ہی ذرا اپنے طرز عمل کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

شعر نمبر5

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہ سیماب

علامہ اقبال فرماتے ہیں وہ اذاں دینے والے ہی صدیوں سے ختم ہو چکے ہیں جن کی اذانیں
پہاڑوں پر لرزہ طاری کر دیا کرتیں تھیں دراصل علامہ اقبال کے نزدیک قرون اولی کے مسلمانوں کی
تاریخ کی ایسی ولولہ انگیز داستانیں رقم تھیں جن کو زوال آنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا لیکن
دوسری طرف ایسی بے بسی کے قرطبہ کی وہ عظیم الشان مسجد جس کا طول 648 فٹ ہے وہ سجدوں کو
ترس رہی ہے چھ سو سال ہوئے وہاں کسی نے اللہ کا نام نہیں لیا یقیناً" جب یہ خیالات علامہ کے
ذہن میں آئے ہوں گے تو انہوں نے اپنے جذبات کو شعروں کا رنگ عطا کر دیا ہو گا۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

کبھی وہ وقت تھا کہ اقوام عالم پہ مسلمانوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی ہر طرف مجاہدوں کے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیا کرتی تھیں ایران و روم جیسی سلطنتیں ان کے زیر نگیں تھیں دریائے دجلہ و فرات مجاہدین اسلام کی تابانی سے شرمندہ تھے اور آج بے بسی کا یہ عالم کہ ہر طرف صرف اس قوم کی رسوائی اور سبکی ہو رہی ہے آج اگر دنیا میں کسی خون کی ارزانی ہے تو وہ مسلمان کا خون ہے علامہ فرماتے ہیں

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا

صد افسوس کے جن اسلام کے سنہری اصولوں کو اپنا کر مسلمان قوم دنیا میں ایک عظیم تر قوم کی حیثیت سے ابھری وہ اصول ہم نے فراموش کر دیئے اور ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

گنوا دی ہم نے جو اسلام سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

وہ وراثت کیا ہے؟ وہ قرآن اور فرمان رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اگر آج بھی ہمیں وہ عظمت مقصود ہے تو پھر اسی وراثت کی طرف رجوع کرنا ہو گا تب ہی کامرانی ہمارے قدم چومے گی۔ وہی عظمت وہی سطوت اور وہی بلندی پھر سے ہمیں حاصل ہو جائے گی اس کے لئے حقیقی طور پر اسلام کو اپنا لینا شرط ہے اگر ہمیں منظور ہے

شعر نمبر 6

ہوائے قرطبہ شاید یہ ہے اثر تیرا
مری نوا میں ہے سوز و سرور عہد شباب

اس شعر میں علامہ اقبال نے خود اپنی نفسیاتی کیفیات سے ہمیں مطلع کر دیا ہے قرطبہ اور اس کی فقید المثال جامع مسجد دیکھ کر ان کی شاعری میں، مسلمانوں کی سطوت اور شوکت کے زمانے کا سوز

اور سرور پیدا ہو گیا ہے روح ذہن میں لرزش پیدا کرنے والے سجدے اور پہاڑوں کو رعشہ سیماب
دینے والی ادائیں۔ یہ قصہ ہے آپ کے مسلمانوں کا آتش عزم جوان تھا یہ اس زمانے کی باتیں ہیں
جب انگلستان کی شریف مائیں یہ کہہ کر بچوں کو سلا دیا کرتی تھیں۔

Hush! Baby Hush The Turks are coming

لیکن آج وہی ترک اپنی مادری زبان بھی لاطینی حروف میں پڑھ رہے ہیں اس کے باوجود بھی
یورپ کی نگاہوں میں ان کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے اس لئے اقبال نے ان مقلدین یورپ کو یہ
مشورہ دیا ہے۔

لاطینی و لا دینی کس پیچ میں الجھا تو
دارو ہے ضعیفوں کی لا غالب الا ہو

علامہ اقبال نے اپنی قوم کی اس تاریخ کا بھی مطالعہ کیا ہوا تھا جب کہ دریائے کبیر کی وادیوں
سے دریائے ڈینیوب کے میدانوں اور بحیرہ ازل سے خلیج فارس تک مسلمان قوم پھیلی ہوئی تھی
اس وقت چاروں آسمانی کتابوں کے مقدس شہر اور مقدس پہاڑ ان کی سلطنت میں واقع تھے اس
وقت تمام ریگستان اور بلند و بالا کہسار مسلمان قوم کی عظمت اور سطوت کے ترجمان تھے مسلم قوم
نے ہی بابل شہر نینوا، اشور اور کیش کے کھنڈرات کے علاوہ دریائے ذخار اور دریائے میر کے ساحلی
علاقوں، ویرانوں اور دیوالاخوں پر تہذیب و تمدن کے ایوان کھڑے کئے تھے اس وقت سلطنت کے
تمام راستے ایک ہی مرکز پر آ کر ملتے تھے ہمارے مقدر میں ذلت، رسوائی اور بربادی اس وقت وارد
ہوئی جب ہم نے اسلام کا دامن چھوڑ دیا توحید کو خیر آباد کہہ دیا اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے
ہوئے رستے گم کر دیئے اور اب حال یہ ہو چکا ہے کہ ہم فرنگی کے ظلم و ستم اور کھلی جارحیت اور
بربریت کی مذمت کرنے سے بھی خائف ہیں کیسے مسلمان ہیں ہم کون سے مسلمان ہیں کس خدا پر
ہمارا ایمان ہے ہم کیسے نبی مکرم کی غلامی کی باتیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے
صدقہ میں ہمارا قبلہ درست فرما دیں۔ آمین

جلانا دل کا گویا سراپا نور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع انجمن بھی ہے

بیگم مولانا عزیز گل (انگلستان)

مولانا عزیز گل شیخ الہند مولانا محمود الحسن ؒ کے ساتھ مالٹا میں اسیر تھے۔ ایک انگریز عورت نے مولانا حسین احمد مدنی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ پھر انہی کے مشورے اور خواہش سے مولانا عزیز گل سے شادی کرلی۔ یہ آپ بیتی اس نیک بخت مومنہ کی ہے۔ مولانا عزیز گل ابھی تک بقید حیات ہیں۔ لیکن یہ خاتون اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچ چکی ہیں۔

میں اپنے والد چارلس ایڈورڈ اسٹیفورڈ اسٹیل کی ساتویں لڑکی ہوں۔ میں 1885ء میں حیدر آباد سندھ میں پیدا ہوئی۔ میرے والد صاحب انصاف پسند اور بات کے پکے انسان تھے۔ انہیں ہندوستان اور ہندوستانی لوگوں سے بڑا لگاؤ تھا۔ کبھی کبھی تو وہ خود کو سندھی کہہ دیا کرتے تھے۔ ہماری خاندانی نسبتیں بڑی عظیم تھیں مگر ہمارے والد کا کہنا تھا کہ شرافت کا معیار کردار ہے نہ کہ خون، بہرحال میں چھ سال کی ہی ہوں گی کہ مجھے تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا گیا۔ مجھے سچی بات سے ہمیشہ سے پیار رہا۔ میں ہربات کا سبب کھوجنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

میں ایک عیسائی کنبے میں پیدا ہوئی مگر عیسائی کسی ایک عقیدے میں بھی متفق نہیں ہیں۔ عیسائیوں کے بہت سے فرقے ہیں جو ایک دوسرے کو جہنمی کہتے ہیں، اس لئے عیسائی مذہب مجھے گورکھ دھندا سا لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں مگر مجھے دعا سے بڑا شغف تھا اور میں اکثر ان دیکھے مالک سے لو لگا کر دعائیں کرتی رہتی تھی۔ جب میں جوان ہو گئی تو میں نے بائبل کو تنقیدی نظر سے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے بائبل کے بہت سے بیانات ایک دوسرے سے متضاد محسوس ہوئے۔ مجھے بائبل کے کلام خدا ہونے میں شک ہونے لگا۔

کچھ عرصہ کے بعد میری شادی ہو گئی، مگر میرے شوہر ایک دنیادار عیسائی تھے۔ وہ میرے فکر و خیال کے ساتھی نہ بن سکے، اس لئے میں نے فرصت کے وقت میں فلسفہ کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا مگر ان خیالی بھول بھلیوں سے مجھے کچھ نہ ملا۔

انہی دنوں میں اپنے والد کے پاس ہندوستان آئی۔ میری 12 سالہ لڑکی اور 10 سالہ لڑکا میرے ساتھ تھے۔ یہاں مجھے ویدانت پڑھنے کا موقع ملا۔ مجھے اس کے پڑھنے سے بڑی تسکین ملی۔ مجھے

محسوس ہوا کہ وہ پیزل مل گئی جس کی مجھے تلاش تھی۔ ویدانت کے مطالعے نے مجھے ہندو دھرم کے قریب کر دیا۔ میں کچھ عرصہ کے لئے ایک ہندو خانقاہ میں مہمان بن کر رہی اور بالآخر ہندو ہو گئی۔ مجھے راما کرشن کے ویدانتی سلسلے میں داخل کر لیا گیا، مگر مجھے یہ شرک سا محسوس ہوا چنانچہ میرا یقین ہل گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ حقیقت ابھی اور آگے ہے۔

میں اسی زمانے میں بیمار ہو گئی اور مجھے علاج کے لئے فرانس جانا پڑا۔ وہاں میرے سات آپریشن ہوئے۔ ہر آپریشن پر موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ میں موت کے لئے تیاری کر لوں۔ میں نے سوچا کہ دنیا ترک کر دوں اور آخرت کی تیاری میں لگ جاؤں۔ لہٰذا میں واپس جب ہندوستان آئی تو میں نے سنیاس لے لیا۔ میں نے ایک سو آٹھ اپنشد پڑھے، لیکن یہ کیا..... یہاں بھی بائبل کی طرح کے ان گنت تضاد تھے۔ ان میں کون سی بات حق ہے اور کونسی غلط ہے، یہ کیسے معلوم ہو، میں ایک بار پھر الجھ گئی۔ مجھے خوف ہو گیا کہ اسی ذہنی الجھن میں کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ سنیاس سے میری روحانیت نہیں بڑھ رہی ہے بلکہ نفسیاتی کشمکش میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی زمانہ میں ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک چل پڑی۔ ہندوستانی ہندوستانیوں سے لڑ پڑے۔ المورہ بھی فسادات سے بچا نہ رہا۔ اس وقت میرے دل نے کہا کہ یہ خانقاہ میں بیٹھ کر دھیان گیان کا وقت نہیں ہے بلکہ باہر نکل کر زخمیوں اور دکھیوں کی مدد کرنے کا وقت ہے۔ میں نے اپنے گروجی سے یہ بات کہی مگر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ دنیادار نہیں ہیں۔ تم جن باتوں کے کرنے کو کہہ رہی ہو وہ سیاست کی باتیں ہیں۔ ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

مجھے ان کے سوچنے کے اس انداز پر حیرت ہوئی۔ میں انہیں تو خانقاہ چھوڑ کر زخمیوں کی مدد پر آمادہ نہ کر سکی، مگر خود خانقاہ سے نکل آئی۔ میں نے زخمیوں، مریضوں اور دکھیوں کی امداد کی۔ اس سے دل کو چین ملا اور میں نے طے کیا کہ روحانی ترقی انسانیت کی خدمت کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے، خانقاہوں کی زندگی سے نہیں۔ چنانچہ میں نے ایک آشرم کھولنے کا فیصلہ کیا، جس میں نوجوان لڑکوں کی اخلاقی تربیت کی جائے۔ اس آشرم میں میں نے ہندو مسلمان کی قید نہیں رکھی۔ وہاں ایک مسلمان لڑکا داخلے کے لئے لایا گیا۔ یہ لڑکا اپنے والدین کے لئے ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب تک میں مسلمانوں کے نظام حیات کے بارے میں معلومات حاصل نہ کروں، میں اس لڑکے کی تربیت کا حق ادا نہ کر سکوں گی۔ اس نیت سے میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا۔

اب تک میں مسلمانوں سے ڈرتی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ مسلمان ایک قسم کے "ڈاکو" ہوتے

ہیں جو ہر قسم کا ظلم کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کتاب نے میری آنکھیں کھول دیں۔ یہ تو سراسر حق تھا اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا۔ یہ عملی ویدانت تھا۔ آہ! میں اب تک کن اندھیروں میں تھی۔ افسوس کہ یورپی مستشرقوں نے اسلام کی کتنی غلط تصویر پیش کی ہے۔ وہ مذہب جسے میں خونخوار بھیڑیوں کا مذہب سمجھتی تھی مکمل سچائی کا دین تھا۔ "میرے اللہ میں اب کیا کروں' میں نے تو ساری زندگی اکارت کر دی" میں نے سوچا میں ہندو ہی رہوں یا ہندومت کو چھوڑ دوں۔ میں نے راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ یہ ایک طرح کی موت تھی۔ قرآن مجھے زندگی کی طرف بلا رہا تھا۔ ایسی زندگی کی طرف جو آخرت کی زندگی کی بنیاد بنتی ہے مگر مشکل یہ تھی کہ ایک مقدس خانقاہ کی راہبہ تھی۔ لوگ مجھے پیار سے ماں کہتے تھے۔ میں مسلمان ہو جاؤں تو دنیا کیا کہے گی؟ مگر مجھے اپنی روح کو خلجان سے بچانا تھا۔ میں نے لوگوں کے کہنے کی پروا نہ کی۔ میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

میرے گرو بھائی بڑے دہشت زدہ ہوئے 'مگر میں نے انہیں خلوص سے بتایا کہ اصل ویدانت یہ ہے کہ جو میں قبول کر رہی ہوں۔ میرے گرو بھائیوں نے کہا کہ یہ کام مسلمان ہوئے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے۔ ویدانتی رہ کر بھی تم قرآن کی راہ اختیار کر سکتی ہو۔ یہ بھی ویدانت کا ہی ایک سلسلہ ہو گا' لیکن یہ بات میرے دل میں نہ اتر سکی۔ میں سمجھ رہی تھی راما کرشن نے حقیقت کا راستہ نہیں اختیار کیا تھا بلکہ وہ خود ان کے ذہن کی اپج اور ایک بھرم تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی نام نہاد صوفی نے انہیں یہ بھرم دلا دیا ہو۔ میرے ہندو دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے آپ کو مسلمان نہ کہوں تو وہ مجھے آگرہ میں راما کرشن مشن کا مہنت بنا دیں گے 'مگر مجھے دنیاوی لالچ نہ تھا۔ مجھے روح کے آرام کی ضرورت تھی' اس لئے میں نے ان کی بات کو رد کر دیا۔

اب ایک اور مشکل آئی۔ مسلمانوں نے مجھے مسلمان ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں ہندو بنانے کے لئے نیا روپ دھارن کر رہی ہے۔ میں خود شبے میں پڑ گئی۔ میں قرآن کو اپنا ہادی اور راہنما مان رہی تھی تو کیا یہ بات مسلمان ہونے کے لئے کافی نہ تھی۔ اپنے دل کی بے قراری کو دور کرنے کے لئے میں دیوبند گئی۔ میری لڑکی میرے ساتھ تھی۔ ہم دونوں بے پردہ تھیں۔ ہم نے مولانا حسین احمد مدنی سے ملاقات کی۔ اپنی بات ان کے سامنے رکھی اور پوچھا "کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟"

"تم حقیقتاً" مسلمان ہو" مولانا نے ایک زور دار قہقہہ لگا کر کہا "تمہیں اس میں شک کیوں ہے؟"

مولانا حسین احمد صاحب کی عظمت ہم دونوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ انہوں نے ہماری بڑ
خاطر کی۔ بعد کو وہ ایک بار مجھ سے ملنے منگلور بھی آئے تھے۔ انہی کے ساتھ مولوی عزیز گل بھ
تھے۔ مولانا حسین احمد انہیں بہت چاہتے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ دو دوست لڑکے ہوں۔ وہ ایک
دوسرے سے معصوم مذاق کرتے' ایک دوسرے کی ہنسی اڑاتے اور کبھی کبھی ایک دوسرے ک
چڑاتے بھی تھے۔ مجھے ان کی محبت پر رشک محسوس ہوتا۔

وہ دن بھر ہمارے پاس رہے۔ جب وہ چلنے لگے تو میں نے مولانا حسین احمد صاحب سے کہا ک
پھر وہ تشریف لائیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں تو زیادہ نہ آسکوں گا مگر عزیز گل کبھی کبھی آیا کریں
گے۔ چنانچہ مولوی عزیز گل صاحب آتے رہے۔ میں ان سے پردہ اور دوسرے مسائل پر بلا جھجک
بات چیت کرتی رہی۔ شروع میں یہ سمجھتی تھی کہ یہ مولوی بڑے تنگ نظر ہوتے ہیں' مگر بعد
پردے کی حقیقت مجھ پر کھلی تو میں ان کی وسعت نظر کی قائل ہو گئی۔

یہاں میں اسلام کے مطالعہ میں لگی ہوئی تھی کہ اچانک میرے شوہر کا خط آیا کہ اگر میں فور
انگلستان نہ لوٹی تو وہ مجھے خرچ دینا بند کر دیں گے۔ بچوں کی تعلیم کا خرچ مجھ سے وصول کریں گ
اور مجھ سے تعلق توڑ لیں گے۔ اس پر مجھے تعجب ہوا نہ افسوس۔ میں مسلمان ہو چکی تھی۔ اب مید
کسی عیسائی شوہر کی بیوی کیسے رہ سکتی تھی۔ رہا رزق تو یہ اللہ کی دین ہے' کم یا زیادہ ملے گا ہی۔

عزیز گل صاحب کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے میرا ہاتھ تھامنے کی پیشکش کو قبول ک
لیا۔ میں جانتی تھی کہ ان کے یہاں غربت ہے' افلاس ہے' پردہ ہے' مگر میرے لئے تو یہی اللہ ک
پسندیدہ جگہ تھی۔ عزیز گل کے گھر میں مجھے زندگی کی حقیقی راحت ملی۔ وہ نہایت شریف اور مہربا
شوہر ثابت ہوئے۔

یوں بھی وہ سید ہیں اور انہوں نے سیادت کی لاج رکھی ہے۔ ان کے اجداد عرب سے
افغانستان اور افغانستان سے ہندوستان آئے تھے اور راہ حق کی مسافرت میں مشرق مغرب کے۔
ہماری راہ ایک تھی۔ ہماری منزل ایک تھی۔ ہماری روحیں ہم آہنگ تھیں۔ ہم دونوں اللہ ک
پیارے نبی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا ارادہ لے کر اٹھے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس راہ م
میری بیٹی' میرا بیٹا اور میرا بھائی سب مجھ سے ہمدردی کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے حق کی راہ م
قدم بڑھانے سے روکا نہیں۔ میری زندگی کا ایک سفر ہے' وہ "برسوں کی محرابوں" سے گزر کر اس
کی حسین وادی میں ختم ہو رہا ہے۔

آخر ہمارا مسئلہ ہے کیا؟

(کے ایم اعظم)

پاکستان کو بنے ہوئے ترپن سال گزر چکے ہیں مگر ہمیں اپنی منزل کا نشان دور دور تک نظر نہیں آتا۔ جہاں تک وطنی سالمیت (Territoria integrity) کی بات ہے تو آدھا پنجاب اور آدھا بنگال تو ہم تقسیم کے وقت ہی کھو بیٹھے تھے اور آدھا پاکستان ہم نے آزادی کے چوبیس سال بعد گوا لیا' جب کہ حیدر آباد' جونا گڑھ اور کشمیر بھی ہم سے چھین لئے گئے۔ اب سوال یہ اٹھ رہا ہے کہ کیا ہم بطور ایک ریاست کے قائم رہ سکیں گے؟ فلاحی ریاست یا اسلامی ریاست کا قیام تو در کنار بطور ایک عام ریاست ہی کے کوئی ہمیں کامیاب ریاستوں میں شامل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ کس کا قصور ہے' سیاسی حکمرانوں کا' فوجی حکمرانوں کا' نوکر شاہی کا یا عوام کا؟ آیئے ہم اپنا بے لوث محاسبہ کریں کہ آخر ہم کیوں ناکام ہیں؟

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

پاکستان کے مطالبے کے دوران نعرہ تو "لا الہ الا اللہ" کا لگایا گیا تھا مگر ہمارے ہاں ترپن سالوں سے غیر اللہ کا قانون نافذ ہے' جس کے مطابق عدالتی فیصلے ہوتے ہیں جب کہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالٰی کا فرمان مذکور ہے کہ جو اللہ کے قانون کو نہیں اپناتے وہ ظالم اور فاسق ہیں (۵: ۴۵' ۴۷' ۴۹) یہ بات بھی واضح ہونی چاہئے کہ ہندوستان کے سب مسلمانوں نے قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کی تھی۔ اس لئے ان کا مطمح نظر اسلام ہی ہو سکتا تھا نہ کہ وطن' کیونکہ ہندوستانی علاقوں کے مسلمانوں کو یہ علم تھا کہ ان کا وطن ہندوستان میں ہو گا نہ کہ پاکستان میں۔

ملک میں انگریز کے وقت سے ایسا ظالمانہ معاشی نظام رائج ہے جس کے تحت امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو رہے ہیں۔ معیشت کے ہر شعبہ میں سودی نظام جاری و ساری ہے جب کہ قرآن اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ قرار دیتا ہے۔ (۲-۲۷۹)

جس طرح قریش نے مکہ میں اور ہندوؤں نے ہندوستان میں بت بنا رکھے تھے' ہمارے ہاں نوکر

شاہی نے عوام کو لوٹنے کے لئے کئی ایک بت تراش رکھے ہیں اور خود پروہت بن کر ان
مندروں میں براجمان ہیں' بتوں کی محبت میں نہیں بلکہ دولت کی حرص میں۔ ہمارے نظریاتی
فکری اداروں پر بھی اسی نوکر شاہی کی حکومت قائم ہے۔ اسی لئے وہاں سے بھی کبھی کسی تازہ
جھونکا نہیں آیا۔

ان پژمردہ حالات میں ایک پر امید بات ہمارے عوام کی جبلی اہلیت (Talent) ہے جس کی
وجہ سے ہم نے نیو کلیائی ٹیکنالوجی اور کھیلوں میں ایک منفرد مقام حاصل کیا ہے مگر یہ صرف
میدانوں میں ہوا ہے جہاں سے نوکر شاہی کو بے دخل کر دیا گیا تھا۔ پس اگر ہم اپنی مغرب زدہ
فرنگی گزیدہ نوکر شاہی سے نجات حاصل کر لیں تو ہماری قوم ایک نادر شجر کی طرح ابھر سکتی ہے۔

ہمارے لئے غور و فکر کا ایک نہایت ہی اہم مسئلہ یہ ہے کہ چلیں جرنیلوں اور نوکر شاہی
سرخیلوں کی ناقص تعلیم و تربیت کے لئے تو ہم انگریزوں کو مطعون قرار دے سکتے ہیں لیکن
ہمارے مشائخ اور علماء کا کردار ہی قابل ستائش نہ ہو تو اس کے لئے کسے ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔

کسے خبر تھی کہ لے کے چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

ایک حدیث نبوی ﷺ شریف ہے کہ دوزخ میں ایک وادی ایسی ہے جس سے دوزخ
دن میں ستر بار پناہ مانگتی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے دکھاوے کے عالموں اور قاریوں کے لئے مخصوص
کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں ایک غور طلب بات یہ ہے کہ مسلمان ہندوستان میں تقریباً آٹھ
برس حکمران رہے۔ گو اس طویل دور میں ملک ہمہ وقت اسلام کی درخشاں ہستیوں سے فیض یاب
رہا' مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی کسی اسلامی جماعت کی داغ بیل نہ ڈالی اور نہ ہی سرفرازی
اسلام کے لئے کوئی تحریک چلائی گئی مگر ان علماء فقہا اور صوفیاء نے اپنے اخلاق' تقویٰ اور بے غرضی
ایثار کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد وہ آج بھی مسلمانوں کے دلوں کو گرما
ہیں۔ ہمارے اسلامی اکابرین اسلام کے چلتے پھرتے نمونے ہونے چاہئیں۔ جب ہمارے علماء اور
مشائخ ہی طاغوت کا شکار ہو جائیں گے' تو ان کے منہ سے دین کی بات دین کو بدنام کرنے کے
مترادف ہو گی۔ جب تک کسی تحریک کی داعی قیادت کے کردار اعلیٰ اور ارفع نہ ہوں گے اور ان

زندگیاں تحریک کے اغراض و مقاصد سے مطابق نہیں رکھیں گی' تو اس وقت تک اس تحریک کی کامیابی کی امید نہیں کی جا سکتی۔

مسائل کی شناخت ہی کافی نہیں ہوتی' ضرورت مسائل کے حل کی شناخت اور بیان کی ہے۔ مرض کی تشخیص ہی کافی نہیں' مرض کا علاج بھی درکار ہے۔ چور کو چوری نہ کرنے کی تلقین کافی نہیں' ضرورت اس بات کی ہے کہ چور کے اندرونی اور بیرونی حالات بدل دیئے جائیں۔ نظام کے بدلنے کی بجائے انسان کو بدلیں۔ ضرورت انسان سازی کی ہے' جو علماء کے کرنے کا اصل کام ہے۔ نفاذ اسلام کی بجائے ضرورت نفوذ اسلام کی ہے۔ اسلام' اسلام رٹنے سے اسلامی نظام کے فوائد حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ جب تک ہم اسلام کے اصولوں کو صدق دل سے نہ اپنائیں گے' ہمیں کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اسلامی انقلاب تبھی برپا ہو گا جب اس کے صحیح اغراض و مقاصد پر ہمیں پختہ یقین ہو گا۔ اسلام کے فروغ کے لئے بلند بانگ نعرے' اخباری بیانات یا رسمی خواہشات کافی نہیں بلکہ اس راہ میں مسلسل جدوجہد اور موثر انقلابی طریق کار اختیار کرنا پڑے گا۔ ایک حدیث نبوی ﷺ شریف ہے کہ مومن کی پہچان ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ اس کے برعکس ہمارا سارے کا سارا کاروبار زندگی جھوٹ اور دروغ گوئی پر مبنی ہے۔

نفاذ اسلام کے معاملے میں پاکستانی عوام کا خدشہ یہ ہے کہ جو اسلام ان کے دینی رہنما پاکستان میں رائج کرنا چاہتے ہیں کیا وہ اسلام کے سنہری اصولوں' عالمگیر اخوت' احترام آدمیت' اخلاص اور رواداری پر مبنی ہو گا یا ان مذہبی عمائدین کی خود پرستانہ تعبیروں' ذاتی مفادات اور فقہی ترجیحات پر۔ اسلام کا اپنا قانون ہے مگر اسلام قانون سے بالاتر نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے دین قیم پر چل کر اپنے دامن اطمینان و مسرت سے بھر لیں جب کہ ہمارے دینی رہنما ہماری زندگیاں اسلام کے نام پر فرقہ واریت' تصادم' تشدد اور فساد کی نذر کر دینا چاہتے ہیں۔ ایک نہایت ہی قابل غور مرکزی حیثیت رکھنے والا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے سیاسی' معاشی اور معاشرتی انحطاط کی طرح ہمارا دینی انحطاط بھی 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہی کی پیداوار ہے' اس طرح اس میں بھی فرنگی کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ (جاری ہے)

ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

علم حقیقی اور علم ظاہری کا فرق

مجھے آغاز جوانی ہی میں مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء کے رسالہ "ارشاد رحمانی
کے مطالعہ کا اتفاق ہوا' انہوں نے اس کتاب میں بڑی سادگی اور خلوص و بے تکلفی کے ساتھ ا
بعض مشائخ اور بزرگون کا ذکر کیا ہے' خاص طور پر اپنے شیخ و مرشد مولانا شاہ فضل رحمان گنج م
آبادی سے اپنے تعارف اور ملاقات کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ پڑھنے والا بھی اس کے کیف
محروم نہیں رہتا' اس ملاقات کا ذکر انہی کی زبان سے سنئیے۔

"ایک مرتبہ حضرت قبلہ بنارس تشریف لئے جاتے تھے اور حسب دستور کانپور میں فروکش
ہوئے مجھے اطلاع نہیں ملی مگر ایک اضطراب پیدا ہوا میں بے اختیار کھڑا ہو گیا اور مضطربانہ ادھر اد
پھرنے لگا' اتفاقاً" راہ میں حافظ موسیٰ صاحب دوست محمد عطر فروش کی دوکان پر ملے اور انہوں
حضرت قبلہ کے تشریف لانے کا حال بیان کیا' میں اسی وقت مطبع نظامی گیا' جمعہ کا روز تھا' خا
صاحب مالک مطبع نظامی تنہا بیٹھے ہوئے تھے' میں نے عرض کیا کہ میں حضرت کی خدمت میں حا
ہونا چاہتا ہوں"

آپ بہ نظر عنایت اطلاع کر دیجئے' خاں صاحب کوٹھے پر جہاں آپ رونق افروز تھے' گئے او
پھر آکر کہا کہ آج جمعہ کا دن ہے' اس وقت ملاقات نہیں ہو گی' بعد نماز جمعہ آنا' میں افسردہ ہو
لوٹ آیا اور جمعہ کی نماز کرنیل محمد زمان خاں کی مسجد میں پڑھی' اس کے بعد خاں صاحب کے ہم
خدمت بابرکت میں حاضر ہوا' مگر پہلے سے کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے تھے اور آپ انہیں کچھ کتابی
تقسیم فرمارہے تھے' تھوڑی دیر خاں صاحب اور میں کھڑے رہے' جس وقت آپ نے نظر اٹھا
ہماری طرف دیکھا اسی وقت لوگوں سے فرمایا اب جاؤ اور انہیں بیٹھنے دو' بعض نے بیٹھے رہنے
اصرار کیا' مگر آپ نے کہا کہ نہیں اس وقت جاؤ' سب چلے گئے ہیں اور خاں صاحب بیٹھ گئے'
سے ارشاد فرمایا کہ تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ "قاضی مبارک" ارشاد ہوا استغفراللہ نعو
باللہ قاضی مبارک پڑھتے ہو اس سے حاصل؟ ہم نے فرض کیا کہ تم منطق پڑھ کر قاضی مبارک

نل ہو گئے پھر کیا؟ قاضی مبارک کی قبر پر جا کر دیکھو کہ کیا حال ہے' اور بے علم کی قبر پر جاؤ جس کو
ذرا سے نسبت تھی' اس پر کیسے انوار و برکات ہیں' فیضان صحبت سے مجھے اس وقت یہم بے خودی
ی تھی' اس کے بعد کچھ خاں صاحب سے کلام کیا اور پھر ارشاد فرمایا کہ کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض
کیا کہ "ھدایہ" کیونکہ میں ان دنوں دونوں کتابیں پڑھتا تھا' اس پر بیع و شرا کے مسئلے دریافت
فرمانے لگے' اس وقت میری حالت ایسی متغیر تھی کہ جن مسائل کا میں بے تامل جواب دے سکتا
تھا' ان کا جواب بھی بہت تامل سے دیا۔ اسی اثناء میں حضرت قبلہ نے عبدالرحمٰن خاں صاحب سے
دریافت کیا کہ تم نے صبح آکر کہا تھا کہ ایک طالب علم ملنے کو آتے ہیں' وہ کون تھے؟ خانصاحب نے
کہا کہ جناب یہی تھے' ارشاد ہوا کہ تم بڑے نادان ہو' مجھ سے آکر کہا کہ ایک طالب علم آئے ہیں'
بھلا میں کیا جانوں کون طالب علم ہے' یہ تو ہمارا لڑکا ہے' خاں صاحب نے جواب دیا' حضرت مجھے
نہیں معلوم تھا' غرضیکہ عصر کے وقت تک خاں صاحب اور میں صحبت سے فیض یاب رہے' اس
وقت تک اگرچہ شرف بیعت مجھے حاصل نہ تھا' مگر یہ عنایت مژدہ تھی حصول نیاز مندی کا.

فیضان محبت

اس کے بعد انہوں نے اس کی تفصیل بیان کی کہ مولانا سے ان کی عقیدت و محبت کس طرح
روز افزوں ہوتی گئی۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ آگے چل کر انہوں نے مولانا شاہ فضل رحمان ؒ کی نگاہ
میں قرب و اختصاص کا وہ مقام حاصل کر لیا جو کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا' انہوں نے اس مختصر رسالہ
میں دنیا و اسباب دنیا سے شاہ صاحب کی بے تعلقی' اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع تام' ان کی شان
عبدیت اور افتقار الی اللہ کی کیفیت' اتباع سنت کا غایت درجہ اہتمام اور حضور ﷺ کے اقوال و
افعال اور اذکار وادعیہ کی جستجو اور اس پر عمل کا ذکر کیا ہے' میں نے اپنے بچپن میں یہ کتاب پڑھی
اور میری عقل و شعور نے اس کے خوشگوار اثر کو پوری طرح قبول کیا اور اس سے لذت یاب ہوا'
ان عاشقانہ و عارفانہ اشعار نے بالخصوص مجھے بہت متاثر کیا جو مولانا کو بہت پسند تھے اور وہ اکثر ان
اپنی زبان گہربار سے ارشاد فرماتے تھے' ان اشعار سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ عشق و محبت کی ایک
آگ مولانا کے سینے میں سلگ رہی ہے اور وہ ان اشعار سے محبت کی اس آنچ کا ہلکا اور اپنی تسکین و
تسلی کا کچھ سامان کرنا چاہتے ہیں اور ان کا حال حضرت مرزا جانجاں ؒ کے اس شعر کا مصداق ہے۔

الٰہی درد دل کی سر زمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

علم کا مقصد عمل ہے

اسی زمانہ میں والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب" کے کچھ مطبوعہ اوراق میرے ہاتھ
گئے جو استفادہ کے نام سے موسوم تھے' اس میں والد صاحب نے مولانا فضل الرحمان رحمتہ اللہ
کے ہاں اپنی حاضری اور ملاقاتوں کی کہانی بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سنائی ہے اور بڑے دلکش
میں سنائی ہے' اس کہانی کے جستہ جستہ اقتباسات آپ بھی سنئے اور مولانا کی سادگی اور اللہ
اخلاص اور تعلق مع اللہ اور درد محبت کا اندازہ کیجئے۔

"میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا علم کی غرض عمل ہے' اگر عمل نہ ہوا تو علم حاصل کرنا
ہے' اولیاء اللہ جتنا پڑھتے تھے' اس پر عمل کرتے تھے' فرمایا شاہ ہینا "شرح وقایہ" پڑھتے تھے'
کتاب الزکوٰۃ تک پہونچے' چھوڑ دیا' استاد نے سمجھایا تو کہا کہ علم کی غرض عمل ہے' صوم و
مجھ پر فرض ہے' اس کا علم حاصل کرنا ضروری تھا' زکوٰۃ مجھ پر فرض نہیں' جب کبھی فرض ہو
اس کے مسائل بھی سیکھ لوں گا' اس وقت اس کا پڑھنا وقت کو ضائع کرنا ہے' یہاں تک پہنچ کر
پر کیفیت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے اشعار پڑھنے شروع کئے
میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

سرمہ در چشم سنائی چوں سنان تیر باد
گر زمانے زندگی خواہد سنائی بے سنن

یہ شعر بھی آپ نے پڑھا

کجرا دیوں تو کرکرا سرمہ دیوں نہ جائے
جن نینن ماپیو بسیں دوجے کون سمائے

وہاں سے اٹھ کر وہ لوگ مسجد میں آئے' حیرت یہ ہے کہ تکان سفر سے کچھ بھی ماندگی نہ
اس شب کو جس قدر نوافل میں نے پڑھیں اور جس ذوق و شوق سے پڑھیں کبھی نہ پڑھی
صبح کو جب رخصت ہونے کو گئے تو میرے ساتھ کو رخصت فرما دیا' جب میں آداب بجالایا تو فر

ٹھہرو' وہیں مسجد میں جا کر ٹھہر گیا' چاشت کے بعد آپ مسجد تشریف لائے اور بیچ کے در میں بیٹھ گئے' حضرت احمد میاں صاحب' مولوی عبدالکریم صاحب و حکیم عظمت حسین صاحب وغیرہ بخاری شریف لے کر حاضر ہوئے میں بھی حلقہ درس میں شامل ہو گیا۔ آپ نے چھبیس ویں پارے کے دو تین ورق پڑھے' باوجود کبر سنی کے چشمے کی مدد کی آپ کو حاجت نہیں ہوئی' شنجرف کی روشنائی اور کلک کا قلم رکھا ہوا تھا اس سے تصحیح فرماتے جاتے تھے' جو لطف آپ کے پڑھنے میں تھا وہ قابل دید شنانہ شنید' دوسروں پر انوار باطنی کا اس وقت انعکاس ہو رہا تھا اور سب پر ایک کیفیت طاری تھی' بعد ظہر کے آپ پھر بر آمد ہوئے اور کئی ورق آپ نے پڑھے' اس روز آپ نے بہ ہیئت مجموعی ڈیڑھ پارہ پڑھا لوگوں سے معلوم ہوا کہ آج غیر معمولی طور پر تین بار درس دیا ہے' ورنہ معمول ایک یا دو بار کا تھا' میں اس کو اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔

تیسری بار جب میں حاضر ہوا تو عصر کا وقت تھا' آپ صحن سے باہر حجرہ سے محاذی تشریف رکھتے تھے' نہایت لطف و محبت سے شرف پذیرائی عطا فرمایا اور دیر تک اپنے حالات بیان فرماتے رہے' اسی گفتگو میں آپ نے یہ شعر پڑھا۔

دل ڈھونڈتا سینہ میں مرے بوالعجبی ہے
ایک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

سلسلہ کلام کے ختم ہونے کے بعد میں نے عرض کیا کہ مجھ کو حدیث مسلسل سنایئے' آپ بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ میں نے اپنے کانوں سے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی زبان سے سنا ہے' پھر آپ نے تیمم فرمایا' ایک بار دست مبارک کو زمین پر مار کر منہ پر پھیرا' اور پہونچوں تک ہاتھ میں مل لیا' اس کے بعد آپ نے یہ حدیث پڑھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ـــــ الراحمون یرحمھم الرحمان تبارک وتعالی ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء پھر آپ نے فرمایا میں تم کو حدیث مسلسل بالمحبتہ کی بھی اجازت دیتا ہوں' اس حدیث کو میں نے شاہ عبدالعزیزؒ کی زبان سے سنا ہے۔ یامعاذ انی احبک فقل اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک

عارفین کی نگاہ میں متاع دنیا کی بے وقعتی

اس کے بعد ہی مجھے مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانیؒ کے سفرنامے کے مطالعہ کا موقع ملا' جس میں انہوں نے مولانا کے ہاں اپنی حاضری کی سرگزشت بیان کی ہے اور مولانا کی شخصیت و کمالات کا ایک اور رخ پیش کیا ہے' اس کے کچھ اقتباسات آپ کے سامنے ہیں۔

''خیال تو یہ تھا کہ مراد آباد دنیا میں ہے اور گاؤں نہیں قصبہ ہے' لیکن حضرت کی مسجد میں ایک دوسرا عالم نظر آتا تھا' دنیاوی معاملات کا کوسوں پتہ نہ تھا' خود حضرت کی گفتار و کردار' وہاں کے اہل قیام کے احوال سے (عام اس سے کہ وہ چند گھنٹے کے آئے ہوئے ہیں یا دو چار برس سے رہتے ہیں) یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں' جو تعلقات دنیا سے کنارہ کر آئے ہیں' حیدر آباد کے امیر کبیر نواب خورشید جاہ بہادر جو 25 لاکھ کے معافی دار ہیں' میرے پہونچنے سے صرف ایک روز پہلے وہاں آئے تھے' مگر ان کا ذکر بھی نہ تھا اور نہ کوئی وقعت' ان کی کسی کے ذہن میں معلوم ہوتی تھی' حالانکہ کانپور اور بلہور ان کے تذکروں کی صدا سے گونج رہے تھے اور ہر ایک سوسائٹی (خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ) ان کے تذکروں کو اپنے جلسوں کا دلچسپ مبحث بنائے ہوئے تھی' پھر یہ کس کا اثر تھا؟ آیا مراد آباد کے پانی کا؟ ہرگز نہیں' حضرت کے بالوں کا؟ ہرگز نہیں' البتہ اس کیفیت کا اثر تھا؟ جو حضرت کے قلب میں تھی' وہ کیفیت کیا تھی' اس سے کون واقف ہے اور کوئی کیا جانے مریض کا بدن بخار سے جلتا ہے' مگر وہ سوائے اثر کے موثر کو نہیں جانتا' سبب کو مشخص کرنا طبیب کا کام ہے' ہم بدن پر ہاتھ رکھ کر گرمی محسوس کر سکتے ہیں' مریض کو اپنا جسم گرم اور منہ کا مزا تلخ معلوم ہوتا ہے' لیکن یہ جاننا کہ یہ غلبہ صفرا کا نتیجہ ہے' طبیب کا کام ہے۔

دوسرا خیال یہ تھا کہ خود میرا ذہن مجھ کو ذلیل سمجھتا تھا اور ہرچند حیرت سے غور کرتا تھا' لیکن کوئی وقعت اپنی میرے ذہن میں نہیں آتی تھی' دنیاوی جلسوں میں لفٹنٹ گورنر کے دربار دیکھے رؤسا کے مجمع دیکھے' رؤسا کے مجمع دیکھے' اہل علم کی مجلسیں دیکھیں' مگر کہیں اپنے نفس کو اتنا بے حقیقت نہیں پایا' اپنے اعمال ذمیمہ ماضیہ پر خود نفس ملامت کرتا تھا' اور اپنی بے ما گی پر خود نفریں کن تھا' ہر شخص سے خواہ وہ کوئی ہو اپنے تئیں کم وقعت تصور کرتا تھا' غرض ایک عجیب خیال تھا کہ پورا بیان میں آنا مشکل ہے' وہاں سے آنے پر یہ خیال ایسے رہے' جیسے کہ کسی دلچسپ خواب کا صبح کو خیال اور لطف ہوتا ہے' رفتہ رفتہ یہ کیفیت زائل ہو گئی اور چند لمحہ کے بعد پھر نفس امارہ ''انا ولا غیری'' اور ''ہمچو ما دیگرے نیست'' کے پھندے میں جا پھنسا' یہ خیال میرے نزدیک محض نئے اور

نرالے تھے' جو بدعت الامر ہیں کسی جگہ اور کبھی پیدا نہیں ہوئے اس سے قیاس چاہتا ہے کہ وہ جگہ
بھی جگہ اور جگہوں سے نرالی تھی۔ "اللہ بس باقی ہوس"

میں نے مولانا شیروانی سے اپنے شیخ و مرشد کے زہد و ورع' خودداری و بے نفسی اخلاص و نورانیت اور اہل دنیا کی تحقیر کا ذکر بھی بارہا سنا' اس کے علاوہ مولانا شاہ تجمل حسین بہاری' نواب سید نورالحسن خاں اور مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی" کے دوسرے خلفاء اور مسترشدین (جو اکثر ندوۃ العلماء کے رشتہ میں منسلک تھے) کی تحریروں اور رسالوں میں مولانا صاحب کے حالات و کمالات پڑھنے کا موقع ملا اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ تحریریں پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایمان میں محسوس طریقہ پر قوت پیدا ہو رہی ہے اور مادیت کے پرستاروں کی حقارت اور دین کی عظمت دل نشین ہو رہی ہے۔

مولانا نے انگریز گورنر کا استقبال کس طرح کیا؟

جس اللہ کے بندے پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی منکشف ہو جاتی ہے اور اہل دنیا اور انکے مال و دولت سے وہ اپنی امید منقطع کر لیتا ہے' اور بے طمع ہو جاتا ہے اس کی نگاہ میں اہل حکومت اور اہل ثروت کی عظمت اور اس کے دل پر ان کا رعب نہیں رہتا اور بعض اوقات بڑے بڑے اہل جاہ اور ارباب حکومت اس کو مور و مگس کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔

ابتدائے عہد انگریزی میں حاکم ضلع (کلکٹر) کو بھی جو حیثیت اور رعب و داب تھا اس کو ابھی لوگ بھولے نہ ہوں گے' گورنر اور لفٹنٹ گورنر کی تو شان ہی اور تھی' لیکن اہل حقیقت اور اہل بصیرت کے یہاں ان خارجی اور اضافی چیزوں (عہدوں اور حیثیتوں) کی کوئی اہمیت نہ تھی اور وہ ان سے معمولی انسان کا سا سلوک کرتے تھے' مولانا کی خدمت میں دو مرتبہ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کا لفٹنٹ گورنر حاضر ہوا اور مولانا اس سے بے تکلفانہ بلکہ درویشانہ نہ ملے' ایک حاضری کا حال مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔

"ایک دفعہ لفٹنٹ گورنر نے مولانا فضل الرحمان صاحبؒ" سے ملنے کی اجازت چاہی' آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں' ان کے بیٹھنے کا کیا انتظام ہو گا؟ اچھا ایک کرسی منگا لینا' لفٹنٹ گورنر کی طرف سے تاریخ اور وقت بھی مقرر ہو گیا اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کر بھول بھی

گئے' یہاں تک کہ لفٹنٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے' سب کھڑے تھے' ایک میم بھی کھڑی تھی' مولانا نے ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا بی بی تو اس پر بیٹھ جا' لفٹنٹ گورنر نے کچھ تبرک مانگا آپ نے ایک خادم سے فرمایا' بھائی دیکھو میری ہنڈیا میں کچھ ہو تو ان کو دے دو' اس میں کچھ چورا مٹھائی کا نکلا' بس سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا' سب نے ادب اور خوشی سے قبول کر لیا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی اور رخصت ہو گئے' چلتے وقت نصیحت کی درخواست کی۔ فرمایا "ظلم مت کرنا"

شرفاء و غرباء کی مدد کا انوکھا طریقہ

راقم سطور نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی مرحوم سے خود سنا کہ ایک بار سر شام کسی نے پانچ 500 سو روپے نذر کئے۔ اسی وقت اعلان فرما دیا کہ ہمارے حجرے کی دیوار گری جا رہی ہے' اس کی مرمت کی ضرورت ہے' اہل قصبہ اس ادا سے واقف تھے' بہت سے شرفاء اور غرباء ٹوکریاں اور پھاوڑے وغیرہ لے کر حاضر ہو گئے اور کسی نے دیوار کو ہاتھ لگایا' کسی نے کچھ کیا' آپ نے کسی کو کچھ دیا کسی کو کچھ' سونے سے پہلے پہلے ساری رقم تقسیم فرما کر فارغ ہو گئے' کسی صاحب نے عرض کیا آخر ایسی عجلت کیا تھی؟ فرمایا واہ ہماری دیوار گری جا رہی تھی تم باتیں بناتے ہو۔

ان واقعات نے (جو دوسرے اہل حق اور اصحاب معرفت کی ساتھ بکثرت پیش آئے ہیں) مجھے بڑا فائدہ پہنچایا' ان کتابوں اور سفرناموں کا آغاز جوانی میں مطالعہ میرے لئے ایک بڑی سعادت اور خوش نصیبی تھی' اس کی وجہ سے کچھ نئے طرز اور نئی قطع کے انسانوں تک میری رسائی ہوئی' جو اس طرز سے بالکل مختلف تھا' جس کا مشاہدہ مجھے اپنے گرد و پیش میں اب تک ہوتا رہا تھا' وہ طرز زندگی جس میں مادیت کو بالادستی حاصل تھی اور ملازمت حاصل کرنا اور کچھ روپیہ کما لینا انسان کا بڑا کمال سمجھا جاتا تھا اور لوگوں کو جانچنے کا صرف ایک پیمانہ تھا۔ "آمدنی اور معیار زندگی کی بلندی" اس ماحول میں مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی نے جو طرز اختیار کیا وہ اس شخص کا طرز تھا جو صرف ایمان ہی کے سہارے اور ایمان کی خاطر زندہ ہو' مادیت اور مادہ پرست اس کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہ رکھتے ہوں' دین اور اہل دین کی نگاہ میں سب سے بڑی قیمت ہو اور اپنے اخلاق و سیرت

ے وہ اس "یقین" کی ایک جھلک پیش کر رہا ہو، جو اصحابہ کرامؓ اور قرون اُولیٰ کی مسلمانوں میں
میں نظر آتی ہے اور جو اس "سوز دروں" اور "درد دل" کا ترجمان ہو جس میں زندگی کی حقیقی
زت اور ایمان کی حلاوت پوشیدہ ہے اور جس سے احکام الٰہی کی کامل اطاعت، خواہشات نفس پر
بو، رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور اتباع سنت خوشگوار اور آسان ہو جاتی ہے۔

خلاقی تربیت اور تشکیل سیرت میں اہل دل کا حصہ

اس مطالعہ نے مجھے ایک اور لحاظ سے بھی فائدہ پہنچایا اس کے ذریعہ مجھے یہ اندازہ ہوا کہ ایمانی
جذبات اور ایمانی ذوق ایک نسل سے دوسری نسل تک برابر منتقل ہوتا آ رہا ہے اور ایک چراغ سے
دوسرا چراغ جلتا رہا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے دین کے اصل حصار اور اس کے سرچشمہ کی
حفاظت کا ذمہ لیا ہے اسی طرح ایمانی خصوصیات، اذواق اور کیفیات کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا ہے۔

اس مطالعہ سے مجھے ایمان و اخلاص کے ان اعلیٰ نمونوں کی عظمت و محبت نصیب ہوئی جس
نے مجھے ان ارباب فضل و کمال سے غلط تاثر و مرعوبیت اور ان کی حاشیہ نشینی اور دربارداری سے
محفوظ رکھا، جو علم کے لحاظ سے بہت بڑے تھے، لیکن حقیقی انسانیت سے عاری تھے، ان کی صورت و
ظاہر بہت پرشکوہ تھا، حقیقت اور باطن اسی کے بقدر تہی مایہ...... ان کے اکثر کمالات ان کی سندوں
ڈگریوں یا بڑی بڑی تنخواہوں یا عظیم الشان بنگلوں اور محلوں یا تخت و تاج کے مرہون منت تھے یا
ان کا سایہ تھے، اگر یہ اضافی چیزیں ان سے تھوڑی دیر کے لئے سلب کر لی جائیں تو ان کا کاسہ بالکل
خالی ہو جائے اور شاید وہ مرنے سے پہلے مرجائیں، لیکن ایمان و اخلاص، صدق و تقویٰ، زہد و
قناعت، خودشناسی و خودنگری اور استغنا و بے نیازی وہ صفات ہیں جو ان حاملین و مخلصین و مقبولین
سے کبھی چھینی نہیں جا سکتیں۔

ان کتابوں کے مطالعہ سے میرے اندر شوق پیدا ہوا کہ میں اس طرح کے اور لوگوں کو بھی
تلاش کروں، اس تلاش و جستجو نے مجھے بالآخر کچھ ایسی ہستیوں تک پہنچایا جن کا میرے اس طرز
زندگی میں بڑا دخل اور حصہ ہے اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تادم آخر مجھے اس پر قائم رکھے۔

امام ابو حنیفہؒ کی عزیمت

(ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی)

یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے بنوامیہ کے آخری حکمران مروان بن محمد کی طرف سے یزید بن ہبیرہ عراق کا گورنر تھا۔ ان لوگوں کے ظلم و ستم کے باعث لوگوں کا اعتماد حکومت سے اٹھ چکا تھا۔ حکومت کا یہ حال تھا کہ صبح گئی یا شام گئی۔ یزید بن ہبیرہ بھی ایک کائیاں تھا' سوچا حکومت کو سنبھالا دینے کے لئے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو چیف جسٹس بنا دیا جائے۔ وہ عہد قضا قبول کرلیں گے تو حکومت پر لوگوں کا اعتماد بحال ہو جائے گا۔ اس مقصد کے لئے اس نے حضرت امامؒ کو اپنے محل میں بلایا' عہدہ قضا کی پیشکش کی لیکن امام صاحبؒ نے صاف انکار کر دیا۔ جب بہت اصرار کے بعد بھی امام صاحبؒ نہ مانے تو ابن ہبیرہ نے قسم اٹھالی کہ اگر ابو حنیفہ یہ عہدہ قبول نہیں کریں گے تو وہ ان کے سر پر کوڑے برسائے گا اور قید بھی کر دے گا۔ امام صاحب نے فرمایا' دنیا میں کوڑے کھالینا میرے لئے زیادہ آسان ہے' بہ نسبت آخرت میں گزروں کے برداشت کرنے کے۔ خدا کی قسم میں یہ عہدہ ہرگز قبول نہیں کروں گا' خواہ مجھے قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔

لوگوں نے امام صاحب کو سمجھایا کہ ابن ہبیرہ بہت ظالم اور ضدی شخص ہے۔ وہ آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک آپ یہ عہدہ قبول نہ کریں۔ ایک شخص نے کہا وہ ایک نیا محل بنوا رہا ہے اس نے سوچا ہے کہ آپ کو اس کی اینٹیں گننے پر مقرر کر دے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ابن ہبیرہ اگر مجھے یہ کہے کہ میں مسجد کے دروازے ہی گن دوں' تو میں اس کی یہ ذمہ داری بھی قبول نہیں کروں گا۔ ابن ہبیرہ کو امام صاحب کی یہ بات پہنچائی گئی تو وہ غصہ میں تلملا اٹھا اور بولا' اچھا ابو حنیفہؒ کی اتنی جرات بڑھ گئی ہے کہ وہ میرے مقابلے پر اتر آیا ہے۔ خدا کی قسم میں انکے سر پر اتنے کوڑے لگواؤں گا کہ وہ مر جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے شاہی کارندوں کے ذریعے امام صاحب کو بلوایا اور

ن کے سر پر بیس کوڑے لگوائے۔ امام صاحب نے فرمایا' ابن ہبیرہ تمہیں صرف میری
یک موت تک ہی اختیار ہے لیکن یاد رکھو کل تم اللہ کے حضور کھڑے ہو گے تو وہ حق
ت کے علاوہ کسی بات کو قبول نہیں کرے گا۔

ابن ہبیرہ نے امام صاحبؒ کو جیل بھجوادیا۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔
س وقت آپ کی حالت یہ تھی کہ چہرہ اور سر کوڑے کھانے کی وجہ سے سوج رہے تھے۔
ی حال میں ہر روز جیل سے بلوایا جاتا اور دس کوڑے لگوائے جاتے۔ اسی طرح دس
ن گزگئے' ابواحمد عسکری روایت کرتے ہیں کہ ایک رات نبی اکرم ﷺ ابن ہبیرہ کے
واب میں آئے اور فرمایا۔ تو اللہ سے نہیں ڈرتا' میرے امتی (ابوحنیفہ) کو بلاوجہ مارتا اور
ھمکاتا ہے۔ اگلی صبح ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو رہا کر دیا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پوتے اسماعیل بن حمادؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے
الد کے ساتھ کوفہ کے ایک محلّہ "کناسہ" سے گزر رہا تھا کہ اچانک میرے والد رونے
لگے۔ میں نے پوچھا اباجان آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا بیٹا وہ جگہ ہے جہاں ابن ہبیرہ
نے تمہارے دادا حضرت ابوحنیفہ کو مسلسل دس کوڑے لگوائے تھے۔ روزانہ دس
ڑے لگائے جاتے تھے اور کہا جاتا تھا کہ وہ منصب قضا قبول کرلیں، لیکن وہ نہیں مانتے
ے۔

ابن ہبیرہ کی قید سے رہائی کے بعد امام صاحبؒ مکہ مکرمہ چلے گئے پھر جب 132ھ میں
امیہ کی حکومت کا سورج غروب ہو گیا تو آپ کوفہ واپس تشریف لائے۔ اب ابو منصور
ت خلافت پر متمکن تھا۔ حضرت امام زیدؒ نے منصور کے خلاف خروج کیا تو امام صاحب
ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ بعد میں منصور نے عوام کو یہ باور کرانے کے لئے امام صاحب
مت کے خلاف نہیں ہیں' بلکہ متفق ہیں یہ چاہا کہ امام صاحب کو حکومت میں شریک
یا جائے۔ اس مقصد کے لئے اس نے آپ کو منصب قضا پیش کیا۔ لیکن آپ نے

صاف انکار کر دیا۔ منصور دھمکیوں پر اتر آیا لیکن آپ پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔

مورخ ابن خلکان کے مطابق منصور نے امام صاحب سے گفتگو کے دوران قسم اٹھائی کہ آپ کو منصب قضا قبول کرنا پڑے گا۔ اس پر آپ نے بھی قسم اٹھائی کہ میں یہ عہدہ ہر گز قبول نہیں کروں گا۔ یہ سن کر ایک شاہی کارندہ بولا۔ امیرالمومنین ایک کام کے لئے قسم اٹھا چکے ہیں، تم ان کے مقابلے میں قسم اٹھا رہے ہو؟ امام صاحب نے فرمایا انہیں اپنی قسموں کے کفارے دینے پر زیادہ قدرت حاصل ہے، بہ نسبت میری قسموں کے کفاروں کے۔

منصور نے اسی وقت آپ کو جیل بھیجنے کے احکام جاری کر دیئے۔ جب شاہی کارندے امام صاحب کو جیل لے جانے لگے تو منصور نے پھر امام صاحب کو دھمکیاں دیتے ہوئے کہا کہ یہ حکومتی منصب قبول کرلو ورنہ ساری عمر جیل میں گزار دو گے۔ امام صاحب نے فرمایا منصور اگر تم مجھے یہ کہو کہ میں تمہیں دریائے فرات میں غرق کر دوں گا تو میں غرق ہونے کو ترجیح دوں گا۔ منصب قضا کے لئے اور لوگ موجود ہیں میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ منصور نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، تم سب سے بڑھ کر اس کی صلاحیت رکھتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ آپ نے تو خود اپنے خلاف فیصلہ دے دیا۔ کیا آپ کے لئے یہ جائز ہے کہ آپ اس شخص کو قاضی القضاۃ بنائیں جو آپ کے نزدیک جھوٹا ہے۔

امام صاحب کو جیل بھجوا دیا گیا۔ اس دوران بھی منصور برابر اس کوشش میں مصروف رہا کہ امام صاحب قاضی القضاۃ کی ذمہ داری قبول فرمائیں تاکہ اسلامی سلطنت کے تمام علاقوں میں آپ کے ہاتھوں ہی قاضی مقرر ہوں اور اس طرح ... میں حکومت کی مقبولیت بڑھے۔ منصور ہر روز امام صاحب کے پاس قید خانے میں پیغام ... کہ اگر آپ میری یہ بات مان لیں اور میرا مطالبہ قبول کر لیں تو میں نہ صرف یہ کہ آپ کو رہ

دوں گا بلکہ آپ کا انتہائی اعزاز و اکرم کروں گا۔ لیکن امام صاحب سختی سے انکار کرتے رہے۔ آخر منصور نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ آپ کو ہر روز قید خانہ سے باہر لا کر دس کوڑے لگائے جائیں۔ اس حکم پر فورا" عمل ہونے لگا۔

اب امام صاحبؒ کو ہر روز قید خانہ سے باہر لا کر دس کوڑے لگائے جاتے تھے۔ ان کی عزیمت خداداد تھی، وہ ہر روز کوڑے کھاتے، لیکن اف تک نہ کرتے، عوام میں امام صاحبؒ کی مقبولیت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ لوگ حکومت پر برملا تنقید کرنے لگے تھے۔ شبلی نعمانی نے "سیرۃ النعمان" میں لکھا ہے کہ منصور کو امام صاحب کی طرف سے جس بات کا اندیشہ تھا، وہ قید خانہ کی حالت میں بھی باقی رہا، جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ ایک روز بے خبری میں ان کو زہر دلوادیا۔

حضرت امام صاحبؒ کی وفات کی خبر انتہائی سرعت کے ساتھ تمام شہر میں پھیل گئی۔ سارا بغداد امنڈ آیا۔ قاضی بغداد حسن بن عمارہؒ نے آپ کو غسل دیا۔ وہ نہلاتے ہوئے کہتے جاتے تھے۔ "خدا کی قسم تم سب سے بڑے فقیہہ، سب سے بڑے عابد، سب سے بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں"

لوگوں کی کثرت کا یہ حال تھ کہ پہلی بار نماز جنازہ میں پچاس ہزار سے زیادہ مجمع تھا۔ لیکن آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ یہاں تک چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر تدفین ممکن ہو سکی۔

حضرت امامؒ نے وصیت کی تھی کہ انہیں خیزران کے مقبرہ میں دفن کیا جائے۔

اس وصیت کے مطابق خیزران کے مشرقی جانب ان کا مقبرہ تیار ہوا۔ مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ تدفین کے بعد بھی بیس روز تک لوگ ان کے جنازہ کی نماز پڑھتے رہے۔

(بشکریہ! نوائے وقت میگزین)

سائنس کی ترقی میں قرآن مجید کا تاریخی کارنامہ

مولانا محمد شہاب الدین ندو[illegible]

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلامی دور سے پہلے سائنس کا کوئی باقاعدہ وجود نہیں تھا [illegible] عملی سائنس (پریکٹیکل سائنس) تو گویا سرے سے تھی ہی نہیں۔ بلکہ "سائنس" جو کچھ بھی تھی [illegible] محض یونانی فلسفے کے ماتحت چند نظری چیزوں کا مجموعہ تھی جن کا درجہ ظن و تخمین سے زیادہ نہ[illegible] تھا۔ یونانی فلاسفہ حکمت و دانش کی باتیں تو بڑی اچھی اچھی کہتے تھے مگر اپنے نظریات و مفروضات [illegible] صحت و صداقت کو ثابت کرنے کے لئے انہیں کسی تجربے یا مشاہدے کی ضرورت کبھی محسوس [illegible] ہوئی۔ بلکہ اس کے برعکس وہ مشاہدے یا تجربے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔

اس کے برعکس قرآن مجید نہ صرف تجربے و مشاہدے پر ابھارتا ہے بلکہ دنیا کی ہر چیز اور [illegible] مظہر فطرت کا نزدیکی اور باریک بینی کے ساتھ جائزہ لینے کی تاکید کرتا ہے' جیسا کہ اس کی بے ش[illegible] آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں چند آیات کا مفہوم پیش کیا جاتا ہے جن سے اس [illegible] موضوع کی اہمیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ (۱) وہ نوع انسانی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ زمین اور اجرا[illegible] سماوی کی ہر چیز کا غور سے مشاہدہ کرے۔ (یونس ۱۰۱) (۲) وہ آسمانی برجوں کا مشاہدہ کرنے کی تاک[illegible] کرتا ہے (حجر ۱۶) (۳) وہ درختوں اور پودوں میں پھلوں کے لگنے اور ان کے پکنے کے مناظر پر غو[illegible] کرنے کا مطالبہ کرتا ہے (انعام ۹۹) (۴) وہ اونٹوں کی عجیب و غریب خلقت' آسمان کی اونچائی [illegible] پہاڑوں کا مضبوطی کے ساتھ نصب کیا جانا اور زمین کے پھیلاؤ کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتا [illegible] (غاشیہ ۱۷۔۲۰) (۵) نیز وہ پرزور انداز میں کہتا ہے کہ زمین و آسمانوں کی تخلیق' دن رات کے ہیر[illegible] پھیر' سمندر میں چلنے والی کشتیاں' آسمان سے برسنے والی بارش' زمین سے اگنے والے نباتات' دھر[illegible] پر پھیلے ہوئے حیوانات' ہواؤں اور بادلوں کی تسخیر' غرض ان تمام مظاہر کے قواعد و ضوابط میں اہ[illegible] دانش کے لئے اسباق رکھ دئے گئے ہیں۔ (بقرہ ۱۶۴)۔ غرض ان تمام مظاہر کے قواعد و ضوا[illegible] معلوم کرنے ہی کا نام سائنس ہے جو قرآنی دعوت فکر کا نتیجہ ہے۔ واضح رہے کہ سائنس دنیا بھر [illegible] پائے جانے والی چیزوں کے منظم مطالعے کا نام ہے۔

غرض اہل اسلام نے اس دعوت فکر سے متاثر ہو کر اپنے دور میں دنیا کی ہر چیز اور ہر مظ[illegible] فطرت پر غور کرنا اور نئے نئے حقائق و ضوابط کا پتہ لگانا شروع کیا جس کے باعث جدید سائنس [illegible]

[فر]اغ بیل پڑی اور ایک بالکل نئے دور کا آغاز ہوا جو سابقہ تمام ادوار سے مختلف تھا۔ بلکہ متعدد [ح]یثیتوں سے مابعد کے ادوار میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ کیونکہ یورپ کو سائنس کے میدان میں [ع]روج حاصل کرنے کے لئے لاکھوں آدمیوں کی قربانی دینی پڑی جو کلیسا (چرچ) اور سائنس کی کش [م]کش کا ایک خونی باب ہے۔ مگر اسلام کی تاریخ اس قسم کے خونی اور سیاہ باب سے خالی ہے۔ کیونکہ [ا]سلام عیسائیت کی طرح تجربے و مشاہدے کا دشمن اور علم و تحقیق کا گلا گھونٹنے والا نہیں بلکہ انہیں [پ]روان چڑھانے والا ہے۔

مورخین عموماً اہل اسلام کی بے مثال علمی و سائنسی ترقی پر اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ [م]ثلاً پروفیسر حتی نے اس کو عربوں کی ذہانت و طباعی کے ساتھ ساتھ کچھ مخفی قوتوں اور صلاحیتوں کا [ن]تیجہ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ہسٹری آف دی عربس، ص ۳۰۶، مطبوعہ لندن، ۱۹۷۷ء) مگر سوال یہ ہے [ک]ہ یہ صلاحیت اور اعلیٰ دماغی ان میں کہاں سے آئی؟ اور ان کی مخفی قوتوں کو کس نے بیدار کیا؟ اور [س]ب سے بڑا سوال یہ ہے کہ تہذیب و تمدن سے عاری ایک تہی مایہ قوم میں یہ قوتیں اچانک بیدار [ک]یسے ہو گئیں؟ کیا اس موقع پر قرآن عظیم کے سوا کوئی دوسرا قوی محرک پایا بھی جاتا ہے جس نے [اپن]ی بے شمار آیات کے ذریعہ نہایت درجہ موثر اور طاقتور انداز میں ایک سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر [ک]ے اس کو مطالعہ فطرت اور اس کے رازوں کو بے نقاب کرنے پر آمادہ کر دیا؟ اس حیثیت سے دیکھا [جائ]ے تو قرآن عظیم پورے عالمی لٹریچر میں ایک منفرد اور عظیم الشان صحیفہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ قرآن [عظ]یم ہی کا عطیہ اور اس کی زبردست کار فرمائی تھی کہ ریگزار عرب کے بدو اور اونٹ چرانے والے [ای]ک قلیل عرصے میں برق رفتاری کے ساتھ پوری مہذب دنیا پر چھا گئے اور رومی، ایرانی، سریانی، [ہن]دی اور یونانی علوم کے وارث و مالک بن بیٹھے۔ بقول فلپ حتی جن علوم و فنون کو فروغ دینے میں [یون]انی قوم نے صدیاں لگا دیں تھیں [انہ]یں عرب فضلاء نے صرف چند دہائیوں میں حاصل کر لیا۔ [(ک]تاب مذکور، ص ۳۰۷) واقعہ یہ ہے کہ اہل اسلام نے دیگر اقوام کے خام علوم کو لے کر قرآنی [دع]وت فکر کے مطابق مسلسل غور و فکر اور تجربے و مشاہدے کے ذریعہ انہیں بے انتہا ترقی دی اور [ان] میں ترمیم و اضافہ کر کے جدید سائنس کی بنیاد ڈالی، جیسا کہ مورخین و محققین اس سلسلے میں [اعترا]ف کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ اسلام ہی دنیا کا پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے سب سے پہلے موجودات عالم [میں] غور و فکر اور تحقیق و تجربہ کرنے کی دعوت دی اور عملی و تجرباتی سائنس کی بنیاد ڈالی۔ یہ قرآن

کی مثبت اور انقلابی دعوت فکر ہی کا نتیجہ تھا کہ اہل اسلام نے اقوام عالم کے باقی ماندہ علمی سرمایہ اکٹھا کر کے عربی میں ان کا ترجمہ کیا اور ان کی تہذیب و تدوین کی' ان علوم میں نئی نئی راہیں نکالیں اور علم کیمیا' طبیعیات' فلکیات' ارضیات' طب' نباتات اور علم ہندسہ و ریاضی وغیرہ کو اپنی تحقیقات و اکتشافات سے بھر دیا۔ ان سب کارناموں کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

غرض اسلام ایک ابدی اور عالمگیر مذہب ہے۔ وہ ایک کامل فلسفہ حیات کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست قوت و تحریک بھی رکھتا ہے۔ وہ محض چند عبادات اور رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل نظام زندگی کا خاکہ پیش کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خلافت ارض کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کی بے حد اہمیت ہے اور جو قوم اس باب میں پیچھے ہو جائے وہ غالب قوموں کی غلام یا ان کا لقمہ تر بن کر رہ جاتی ہے۔ مگر صدیوں کے عقلی جمود کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہن سے احساس زیاں جاتا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک یہ جمود نہیں ٹوٹے گا اور کچھ کرنے کا ولولہ پیدا نہیں ہو گا' صبح نو کا آغاز نہیں ہو سکتا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ Renaissance برپا نہیں ہو سکتی۔ شاعر مشرق نے کیا خوب کہا ہے۔

چمن میں رخت گل شبنم سے تر ہے
سمن ہے سبزہ ہے باد سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم
یہاں کا لالہ بے سوز جگر ہے

واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم ایک زندہ اور انقلابی صحیفہ ہے۔ مگر ہمارے موجودہ طرز عمل نے اسے ایک مردہ اور بیکار سی کتاب بنا کر رکھ دیا ہے' جس کا مصرف اب محض فاتحہ اور چہلم وغیرہ کی رسوم کو انجام دینا ہے اور بس۔ حالانکہ وہ زندگی کے میدان میں آج بھی ایک انقلاب عظیم پیدا کر سکتا ہے' بشرطیکہ ہم اس کے ساتھ ایک زندہ کتاب کا سا برتاؤ کریں اور بقول اقبال یقین کامل کے ساتھ جہد مسلسل پر عامل ہو جائیں۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

FALAH-E-ADMIAT

Registred

CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — اللہ — محبّت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف
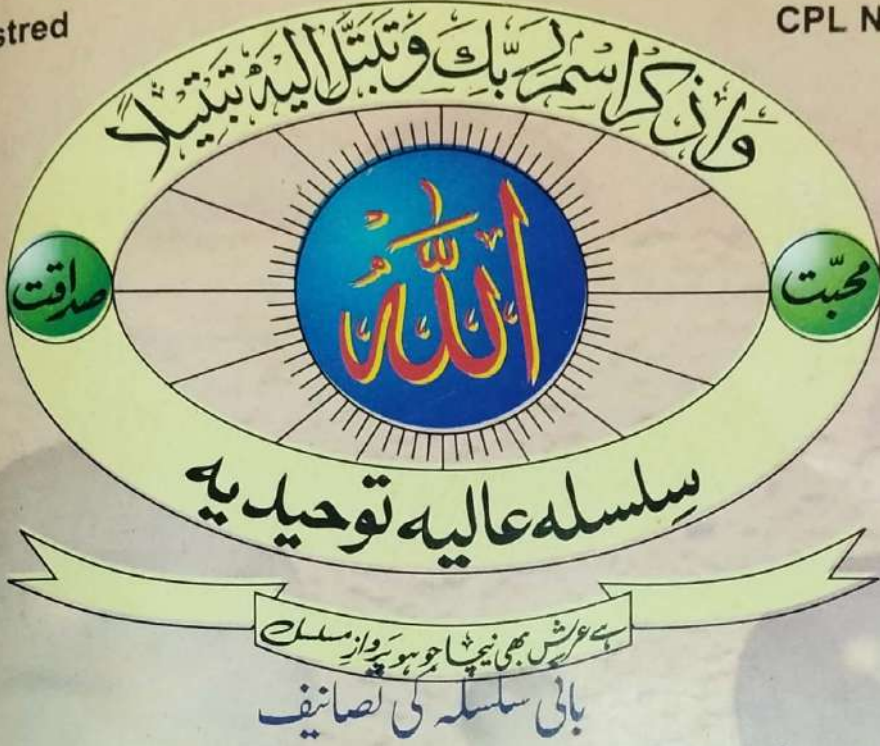
"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری "سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین
تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ
قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم، نشیب و فراز اس
پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب
روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات
لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل
ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

- ☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔
- ☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔
- ☆ ہمارے زوال میں امراعلماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟
- ☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔
- ☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
- ☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔
- ☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔
- ☆ یوگا، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت
- ☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟
- ☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟